مکمل ناول
فوزیہ یاسمین
جنوں کے راستے کڑے ہیں
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
WWW.PAKSOCIETY.COM

فوزیہ یاسمین

کاغذ کا ٹکڑا رامین کے ہاتھوں میں لرز رہا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اس سے پڑھنے میں غلطی ہوئی ہے' یا سمجھنے میں ایک بار پڑھنے کے بعد اس نے دوبارہ پڑھا تو اسے ایسا لگا اس کے اندر کوئی چیز پگھلنے لگی ہو دوسری بار پڑھنے کے بعد جب اس نے تیسری بار پڑھنا شروع کیا تو نظروں کے سامنے اتنی دھند چھانے لگی کہ سارے الفاظ گڈمڈ ہو گئے۔ آنسو ہتھیلی کی پشت سے پونچھتے ہوئے اسے اپنے آپ پر حیرت ہوئی تھی بھلا اس میں رونے کی کیا بات تھی جو کچھ ہوا تھا وہ اس کے لاشعور میں کہیں بہت پہلے سے موجود تھا۔ مگر پھر بھی اسے شہروز سے یہ امید نہیں تھی۔ شہروز' جسے وہ بچپن سے جانتی تھی' لیکن جسے وہ کبھی سمجھ نہیں سکی تھی زندگی کے کئی مقام پر جس نے اسے حیران کیا تھا۔

اس کا دل چاہ رہا تھا اس کاغذ کے پرزے پرزے کر دے' مگر صفحہ پھاڑ دینے سے تقدیر کا لکھا نہیں بدل جاتا اور یہ اس کی تقدیر ہی تو تھی کہ اس نے جس کسی کو بھی لالچ سے پاک سمجھا وہ شخص کسی نا کسی طرح اپنے مفاد کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے' زندگی کا وہ خوب صورت دور گھومنے لگا جو اس نے اپنے دادا جان کی بنائی شاندار کوٹھی میں سارے خاندان کے ساتھ گزارا تھا۔ اس وقت اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایک دن سارا خاندان اسی کوٹھی کی وجہ سے تنازعہ کا شکار ہو جائے گا۔

اسکول یونیفارم پہن کر جب وہ ڈائننگ روم پہنچی تو پھوپھی' تائی امی اور امی کے علاوہ وہاں سب موجود تھے۔ دادا جان کے ایک جانب تایا ابو بیٹھے تھے اور دوسری جانب اس کے پاپا۔ ان کے قریب دو تین کرسیاں خالی تھیں یقیناً" امی' پھوپھی اور تائی امی کے لیے جو کچن میں مصروف تھیں باقی کی تمام کرسیوں پر پوری فوج موجود تھی' یعنی تایا ابو کا بیٹا شہروز اس کی بہن شازیہ' پھوپھی کے تینوں بچے عمر' امان اور عائشہ جو پھوپھا کی موت کے بعد اسی گھر کا حصہ بن گئے تھے اور سب سے آخر میں' اس کے دونوں چھوٹے بہن بھائی افشین اور عامر۔

وہ فرار کی کوئی راہ نہ پا کر خاموشی سے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی اس کے عین سامنے انڈوں کا تازہ آملیٹ رکھا تھا' جس کی اشتہا انگیز خوشبو سے کبھی اس کی بھوک جاگ اٹھتی تھی' مگر اس وقت وہی خوشبو اس کے اعصاب کو جھنجھوڑ رہی تھی۔

"رامین بیٹا کیا بات ہے۔ آج آپ نے سلام نہیں کیا۔" دادا جان نے چائے کا سپ لینے کے بعد اپنے مخصوص شفیق لہجے میں کہا۔

"السلام علیکم۔" رامین نے سر جھکائے جھکائے جلدی سے گویا فرض ادا کیا مگر آواز اتنی دھیمی تھی کہ اس کے برابر میں بیٹھا عمر بھی نہ سن سکا' تب ہی جھک کر اس کی شکل دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

"کہیں چپکے سے تم نے میرا ٹوسٹ منہ میں تو نہیں ٹھونس لیا جو حلق سے آواز نہیں نکل رہی۔" رامین نے گھبرا کر اسے دیکھا اور اس کی مشکوک نظریں دیکھ کر زور زور سے سر نفی میں ہلانے لگی۔

"تو پھر بول کیوں نہیں رہیں' کچھ تو منہ میں بھر رکھا ہے تم نے۔" عمر لڑنے مرنے پر اتر آیا سب ہاتھ

روک کر اس کی شکل دیکھنے لگے سوائے شازیہ کے۔ وہ آرام سے اپنے دودھ کا گلاس ختم کرتی رہی۔

"میں نے ابھی تک ناشتا بھی شروع نہیں کیا۔" وہ ایک دم روہانسی ہو گئی۔

"عمر!" دادا جان نے اسے تنبیہی انداز میں دیکھا۔

"نانا جان آپ اس کی شکل دیکھیں ذرا۔ آپ کو نہیں لگتا یہ کچھ چھپا رہی ہے۔" عمر شکایتی انداز میں بولا۔

"وہ کچھ نہیں چھپا رہی۔ تم لوگ جلدی سے ناشتا ختم کرو۔ اسکول بس آتی ہی ہو گی۔" دادا جان نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ناشتا شروع کرے گی' تو ختم کرے گی۔" شہروز نے اسے بدستور ایسے ہی بیٹھے دیکھ کر کہا۔

"کیا بات ہے تمہاری چٹنی کہیں کھو گئی ہے کیا۔"

"مجھے کوئی پریشان نہ کرے۔ میرا آج پیپر ہے۔" رامین کی رُندھی ہوئی آواز پر ساری بچہ پارٹی ایک دم جوش میں آ گئی۔

"اوہو!" شہروز نے معنی خیز انداز میں اپنی بہن شازیہ کی طرف دیکھا جو رامین کی ہی کلاس میں تھی اور پچھلے کئی دنوں سے "ایگزامز شروع ہونے والے ہیں۔" کے نعرے بلند کر رہی تھی۔

"تو قیامت کی گھڑی آ پہنچی۔" شہروز نے دلچسپی سے کہا۔

"شہروز بری بات ہے بیٹے۔ رامین چلو ناشتا شروع کرو' خالی پیٹ ایگزام نہیں دیتے۔" دادا جان نے رسانیت سے کہا۔

"اسے فورس مت کریں' ورنہ اسے وومیٹنگ ہو جائے گی۔" عامر نے پچھلے تجربوں کی روشنی میں یقین سے کہا۔

"کم آن کزن۔ اتنی ٹینشن کی کیا بات ہے۔ بہت ایزی کورس ہے تمہارا۔ یہ بھی بھلا کوئی ایگزام ہوتا ہے۔" عمر کے لاپروائی سے کہنے پر شازیہ بھڑک اٹھی۔

"ہاں ہاں خود پڑھ لینے کے بعد سب آسان لگتا ہے۔"

"میں نے سنا ہے اس سال ہمیشہ سے زیادہ مشکل پیپر آنے والا ہے۔" رامین کا آملیٹ کی طرف جاتا ہاتھ رک گیا' وہ سہمی سہمی نظروں سے اپنے عین سامنے بیٹھے شہروز کو دیکھنے لگی' جس کے چہرے پر سارے جہاں کی ہمدردی سمٹ آئی تھی۔

"تمہیں سب یاد تو ہے نا؟" یہ وہ سوال تھا جو وہ خود اپنے آپ سے پوچھتے ڈرتی تھی "آج اردو کا پیپر ہے نا تو فکر کی کوئی بات نہیں اسی چیپٹر سے سوال آئے گا۔ "مرحوم کی یاد میں!"

"وہ' وہ کون سا چیپٹر ہے۔" رامین آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیا؟" شہروز اتنی زور سے چیخا کہ رامین کا دل بند ہونے لگا۔

"تمہیں تو کچھ بھی یاد نہیں' تم پیپر کیسے دو گی۔" شہروز کے انداز میں اتنی بے ساختگی تھی کہ رامین نے ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

"شہروز یہ کیا بدتمیزی ہے۔" دادا جان اپنی کرسی سے اٹھ کر رامین کے پاس چلے آئے' جب کہ تایا ابو اور اس کے بابا' بچوں کی نوک جھونک کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے آفس کے لیے اٹھ گئے۔

"مجھے کچھ یاد نہیں۔ میں فیل ہو جاؤں گی۔" رامین' دادا جان کی بات سنے بغیر بولتی رہی۔

"آمین!" عمر زیر لب بولا' دادا جان نے گھور کر اسے دیکھا مگر ان پر بھلا کیا اثر ہوتا۔ دادا جان ان کے لیے دوست کی طرح تھے۔ وہ سب ان کے مصنوعی غصے کا نوٹس لیے بغیر آرام سے مسکراتے رہے۔

"یہ آپ کی کلاس کا چیپٹر نہیں ہے۔ جب آپ نائنتھ میں جائیں گی تب "مرحوم کی یاد میں" پڑھیں گی۔" وہ رونا دھونا بھول کر غصے سے شہروز کو دیکھنے لگی۔

"دیکھو بیٹے جو لوگ محنت کرتے ہیں' وہ کبھی ناکام نہیں ہوتے اور تم تو ہر سال فرسٹ آتی ہو' حالانکہ ہر سال اسی طرح روتی ہو کہ اس بار فیل ہو جاؤں گی' مگر ہر سال سب سے اچھے نمبر تمہارے آتے ہیں پھر اتنا

نروس کیوں ہوتی ہو؟ زندگی میں کبھی کسی امتحان سے ڈرنا نہیں چاہیے' بلکہ اسے سر کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دینا چاہیے۔" دادا جان اپنے مخصوص دھیمے انداز میں کہتے چلے گئے' ہر بار کی طرح اس بار بھی ان کی باتوں کا ان پر خاطر خواہ اثر ہوا۔ وہ آنسو پونچھ کر انہیں دیکھنے لگی۔

"دادا جان اگر آپ نے یہ تقریر رات میں کر دی ہوتی تو کم از کم یہ صبح کا ناشتا تو کر لیتی' اب تو وقت بھی ختم ہو گیا۔ بس آتی ہی ہو گی۔" شازیہ نے ہاتھ میں بندھی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے شرارت سے کہا اس وقت بس کا ہارن سنائی دیا رامین کے ساتھ شازیہ بھی گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"امی میرا لنچ کہاں ہے؟ بس آ گئی ہے۔ مجھے پیپر دینے جانا ہے۔" شازیہ ہمیشہ بالکل آخری منٹ پر نروس ہوتی تھی۔

☼ ☼ ☼

ان کے ایگزام ختم ہوئے تو لگا سر سے کوئی بوجھ اتر گیا۔ اس عمر میں کیونکہ زندگی بڑی محدود ہوتی ہے' اس لیے امتحان کسی قیامت سے کم نہیں لگتے' ورنہ اگر انسان اپنے بعد میں پیش آنے والے حالات کا موازنہ اسکول کے امتحان سے کرے تو اسے اپنی اس وقت کی ساری گھبراہٹ اور پریشانی محض نادانی لگے۔

دادا جان اور تایا ابو بزنس کے سلسلے میں ملک سے باہر گئے ہوئے تھے کہ اس دوران ان کے خاندان میں کسی کا انتقال ہو گیا' جو لاہور میں قیام پذیر تھے' چنانچہ بابا' امی اور پھوپھی وہاں کے لیے روانہ ہو گئے بس پھر کیا تھا گھر میں رہ گئیں تائی امی' جو ملازموں کے ساتھ گھر کے کاموں میں اتنی مصروف ہو گئی تھیں کہ انہیں دھوکا دینا کوئی مشکل کام نہیں رہا تھا اس میں بھی ان سب نے بڑی احتیاط سے شام کا وہ وقت مقرر کیا' جب ملازم کام سے فارغ ہو کر اپنے کوارٹر میں اور تائی امی آرام کی غرض سے اپنے کمرے میں چلی گئیں عامر اور امان اس وقت قرآن شریف پڑھنے گئے ہوئے تھے اور

اسی لیے شہروز نے یہ وقت منتخب کیا تھا کیونکہ ان [illegible] پیٹ میں کوئی بات رہتی نہیں تھی اور اگر وہ یہ [illegible] کھول دیتے تو سب سے زیادہ شامت شہروز کی آ[illegible] کیونکہ سارا پلان اسی کا تھا' حالانکہ عمر بھی اس سکیم [illegible] شامل تھا مگر تایا ابو کی دراز سے چابی نکالنے سے [illegible] کار میں پیٹرول وغیرہ چیک کرنے تک سارے عملی کا[illegible] شہروز نے ہی انجام دیے تھے اور اب ڈرائیونگ [illegible] بھی سنبھالے بیٹھا تھا۔

"شہروز بھائی۔ آپ بابا کی گاڑی کہیں ٹھونک [illegible] نہیں دیں گے نا۔" شازیہ ابھی تک کافی ایکسائیٹڈ تھ[illegible] لیکن کار میں بیٹھتے ہی اس پر ایک نامعلوم گھبراہٹ [illegible] طاری ہو گئی' اس نے الجھن بھری نظروں سے اپ[illegible] سے محض تین سال بڑے بھائی کی طرف دیکھا' جو [illegible] اسٹیئرنگ ہاتھ میں آتے ہی اچھا خاصا پرجوش ہو گیا تھا۔

"ڈونٹ وری! سسٹر میں کوئی پہلی بار ڈرائیونگ نہیں کر رہا۔ وہ میرا دوست ہے نا فاروق اس کی کار بہت بار میدان میں چلائی ہے میں نے' بس ایک بار روڈ پر

چلا کر دیکھنی ہے۔"

"لیکن اپنا وعدہ یاد ہے نا' واپسی میں میں کار چلاؤں گا۔" عمر نے اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے یاد دہانی کرائی۔

"ہاں! یاد ہے' تم کیوں کھڑی ہو بیٹھو نا۔" شہروز نے رامین کو وہیں جمے دیکھ کر ٹوکا۔

"میں سوچ رہی تھی اگر تائی امی کی آنکھ کھل گئی تو وہ ہم سب کو گھر میں نہ پا کر کتنا پریشان ہو جائیں گی۔" رامین ہونٹ کاٹتے ہوئے بولی اسے حقیقتاً" اس طرح کار لے کر نکلنا ٹھیک نہیں لگ رہا تھا شہروز ابھی ٹین ایجر تھا اگر تایا ابو کی گاڑی کو کچھ ہو جائے' یا اگر خدانخواستہ ان میں سے کسی کو چوٹ آ جائے تو کیا ہو گا اس کے اپنے امی پاپا بھی شہر سے باہر تھے۔

"امی صبح فجر کی اٹھی ہوئی ہیں' دو گھنٹے سے پہلے ان کی آنکھ کھلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور ہم ایک ہی گھنٹے میں واپس آ جائیں گے' چلو جلدی بیٹھو' دیر ہو رہی ہے۔" شہروز نے لاپروائی سے کہا۔

"ہاں آپی چلو نا مزہ آئے گا۔ شہروز بھائی نے کہا ہے' آئس کریم بھی کھلائیں گے۔" افشین نے اس کی کہنی ہلاتے کہا۔ گھر میں سب جانتے تھے افشین کو آئس کریم کا لالچ دے کر کہیں بھی چلنے کے لیے تیار کیا جا سکتا ہے۔ رامین گہری سانس کھینچ کر دل ہی دل میں آیت الکرسی پڑھتی کار میں بیٹھ گئی۔

"کیا بڑبڑا رہی ہو' منہ ہی منہ میں۔ کیا میری ڈرائیونگ پر یقین نہیں ہے۔" شہروز ٹوکے بغیر نہ رہ سکا جب کہ عمر ہنستے ہوئے کہنے لگا۔

"ارے اگر یہ نکما ڈرائیور ہوتا تو کیا میں اس کے ساتھ بیٹھتا۔ میری یہاں موجودگی اس کے بہترین ڈرائیور ہونے کی ضمانت ہے۔" عمر کے کہتے ہی شہروز نے کار اسٹارٹ کر دی۔ شازیہ نے جس طرح مضبوطی سے دروازے کا ہینڈل پکڑا وہ رامین کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکا گویا گھبرا وہ بھی رہی تھی صرف ظاہر نہیں کر رہی تھی عائشہ اور افشین کافی چھوٹی تھیں' لٰہذا وہ اس صورت حال کو بہت انجوائے کر رہی تھیں۔ کوئی دس منٹ کے بعد جب ان کی کار مین روڈ پر آئی تو رامین کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"شہروز بھائی کیا آپ کو بالکل ڈر نہیں لگ رہا۔" چاروں طرف سے امڈتا ٹریفک اور اس پر ہارن کا شور سن کر شازیہ حیرانی سے بولی۔

"میں نے کہا نا' میں بہت بار ڈرائیونگ کر چکا ہوں۔" شہروز کمال اطمینان کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسٹیئرنگ سے ہاتھ اٹھا کر انگلیوں سے بالوں میں کنگھا کرنے لگا۔

"شہروز بھائی پلیز احتیاط سے چلائیں۔ ہم سب کی جان خطرے میں ہے۔" رامین کے منہ سے بے اختیار نکلا اسے اسٹیئرنگ چھوڑتا دیکھ کر اس کی جان ہی نکل گئی تھی۔

"کیا کہا تم نے' تم سب کی جان خطرے میں ہے۔ یعنی تمہاری نظر میں میں اتنا خراب ڈرائیور ہوں کہ میرے ساتھ کار میں بیٹھ کر تم لوگوں کی جان خطرے میں آ گئی ہے۔" شہروز کا فیوز اڑ گیا تھا رامین کی بات پر۔

"میں نے یہ کب کہا' میرا مطلب تھا اس وقت بال بنانے کی کیا ضرورت ہے۔" رامین کو ضرورت کے وقت کبھی کوئی بہانہ نہیں سوجھتا تھا۔

"میں بال کب بنا رہا ہوں' بال منہ پر آ رہے ہیں انہیں پیچھے کر رہا ہوں۔" شہروز اطمینان سے بولا۔

"تو بال اتنے لمبے ہیں کیوں کہ بار بار منہ پر آتے ہیں۔" رامین کہے بغیر نہ رہ سکی۔ شہروز نے پچھلے کئی مہینوں سے بال نہیں کاٹے تھے اور اب وہ اتنے لمبے ہو گئے تھے کہ اس کی غیر موجودگی میں رامین اس کے بالوں کو زلفیں کہہ کر پکارتی تھی۔

"ابھی لمبے ہوئے کہاں ہیں ابھی تو صرف کوشش جاری ہے مجھے اپنے بال کندھوں تک رکھنے ہیں۔" شہروز پرجوش انداز میں بولا۔

"شہروز بھائی! بس بہت ہو گیا' واپس گھر چلیں۔" شازیہ اس کی توجہ ڈرائیونگ سے زیادہ باتوں اور بالوں پر دیکھ کر بمشکل بولی۔

"تمہاری اپنی بہن کو بھی تم پر بھروسہ نہیں ہے۔ ایک میں ہی ہوں دل' جگر' گردے' کلیجی اور پسلیوں والا جو تمہارے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھا ہوں۔" عمر نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے گویا احسان جتایا۔

"یعنی آج خود کو منوانا ہی پڑے گا۔" شہروز نے مصنوعی غصے کے ساتھ کہا اور ایک دم کار کی اسپیڈ بڑھا دی۔

"شہروز بھائی! یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟" شازیہ چلائی' یہاں ٹریفک نسبتاً" کم تھا' لٰہذا کار آرام سے تیز رفتار میں دوڑائی جا سکتی تھی۔

"شہروز بھائی! اتنی رش ڈرائیونگ تو کبھی پاپا نے نہیں کی اور آپ نئے ہو کر ایسے چلا رہے ہیں۔" افشین خوفزدہ انداز میں بولی۔ تب ہی کار نے دائیں طرف موڑ کاٹا۔ رفتار تیز ہونے کی وجہ سے افشین' عائشہ اور شازیہ بالترتیب رامین پر آ گریں ساتھ ہی ان سب کی چیخیں بھی نکل گئیں۔

"شہروز بھائی! ہم سب نے آپ کی ڈرائیونگ کو پاس کر دیا ہے' بس اب آپ گاڑی روک دیں۔" شازیہ اپنے بال کھینچتے ہوئے چلائی جو عائشہ کی فراک کے بٹن میں الجھ گئے تھے۔

"ایسے نہیں' باری باری کہو کہ تم سب مان گئے ہو' مجھے بہت اچھی ڈرائیونگ آتی ہے ورنہ۔" شہروز نے دھمکی دیتے ہوئے ایک موڑ اور کاٹا تو اب کی بار شازیہ گاڑی کے دروازے اور ان تینوں کے بیچ سینڈوچ بن گئی۔

"ہاں ہاں سب نے مان لیا ہے۔" رامین نے خوف سے آنکھیں میچ لیں۔

"کیا مان لیا ہے۔" شہروز بظاہر بہت سخت لہجے میں بولا' مگر اندر سے وہ اس صورت حال سے بہت لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"ارے سب نے مان لیا ہے کہ آپ کو بہت اچھی ڈرائیونگ آتی ہے۔ آپ سے اچھا ڈرائیور آج تک پیدا نہیں ہوا۔ سامنے ٹرک آ رہا ہے بھائی۔" شازیہ بولتے بولتے زور سے چلائی سامنے سے واقعی ایک بڑا سا ٹرک آ رہا تھا اور شہروز ایسے گاڑی چلا رہا تھا' جیسے

اسی پر چڑھ جائے گا افشین اور عائشہ بھی اپنی چیخیں نہیں روک سکی تھیں ٹرک کے بہت قریب پہنچ جانے کے بعد جب انہیں یہ یقین ہو گیا کہ ان کا آخری وقت آگیا ہے، تب شہروز نے ایک دم اسٹیئرنگ گھما کر کار سائیڈ سے نکال لی۔ ٹرک ڈرائیور نے زوردار ہارن بجا کر موٹی موٹی گالیاں بھی دیں، مگر رامین کو کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا اس کے کانوں میں سائیں سائیں ہو رہی تھی تھوڑا آگے جا کر شہروز نے کار سائیڈ میں روک دی اور گردن گھما کر ان چاروں کو دیکھنے لگا۔ وہ چاروں پتھرائے ہوئے انداز میں بیٹھی تھیں۔ سفید لٹھے جیسے چہرے، بکھرے بال، کھلے منہ اور پھٹی آنکھیں۔

"آج کی تازہ خبر! چار لڑکیاں زندہ ہونے کے باوجود مردہ حالت میں پائی گئیں۔" شہروز نے ان چاروں کو دیکھتے ہوئے دلچسپ انداز میں کہا اور پھر عمر کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے وہ دونوں ہنستے چلے گئے سب سے پہلے رامین کا سکتہ ٹوٹا، دل تو چاہا اسی وقت کار کا دروازہ کھول کر اتر جائے، لیکن ایک تو وہ بہت دور آ گئے تھے، دوسرا اسے راستہ بھی نہیں معلوم تھا۔

"میرے خیال سے تم لوگ اب آئسکریم کھانے کی پوزیشن میں نہیں ہو، اس لیے وہ پھر کسی دن کھا لیں گے۔" شہروز نے اسے حواسوں میں آتا دیکھ کر پھونک مار کر اپنے ماتھے پر آئے بالوں کو اڑاتے ہوئے کہا۔ رامین کا دل جل کر خاک ہو گیا تھا، اس کی اس حرکت پر۔

☼ ☼ ☼

"شہروز بھائی نے ہم سے جھوٹ بولا کہ وہ روڈ پر پہلی بار کار چلا رہے ہیں وہ بہت عرصے سے ڈرائیونگ کر رہے ہوں گے، صرف ہمیں انڈر پریشر رکھنے کے لیے انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ وہ اب تک صرف میدان میں کار چلاتے رہے ہیں۔"

رات کو شازیہ اپنے اور اس کے مشترکہ کمرے میں غصے سے ادھر ادھر ٹہلتی بولے گئی شام سے رات ہو گئی تھی، مگر ان کا غصہ ابھی تک ٹھنڈا نہیں ہوا تھا اور اگر غصے میں تھوڑی بہت کمی آئی بھی تھی تو رات کھانے کی میز پر جس طرح شہروز اور عمر نے ان دونوں کی کھنچائی کی تھی اس سے ان دونوں کا خون مزید ابلنے لگا تھا۔ ان سب کزنز کی عادت تھی۔ آپس میں چاہے جتنا بھی لڑیں، ایک دوسرے کی شکایت کبھی بڑوں سے نہیں کرتے تھے۔ اس معاملے میں ایک دوسرے پر اعتماد اتنا قوی تھا کہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے مصداق شہروز اور عمر تائی امی کے سامنے ان سے پوچھ رہے تھے۔

"آج شام کو کچھ لڑکیوں کے اس طرح چلانے کی آوازیں آ رہی تھیں جیسے وہ سب ایک ساتھ کسی اونچے پہاڑ سے گر رہی ہوں۔" گلاس کی طرف بڑھتا رامین کا ہاتھ رک گیا، وہ خونخوار نظروں سے شہروز کو دیکھنے لگی۔

"کیسی آوازیں؟" تائی امی حیرانی سے بولیں۔

"پتا نہیں امی۔ تم لوگوں نے نہیں سنیں، ویسے وہ آوازیں تم سب کی آوازوں سے ملتی جلتی تھیں۔" شہروز کمال مہارت سے مسکراہٹ روکے کہہ رہا تھا۔ رامین کا شدت سے دل چاہا تائی امی کے سامنے ساری پول کھول دے، لیکن اسے یقین تھا اگر تائی امی کو بتایا تو یہ بات کل کو تایا ابو اور دادا جان تک بھی پہنچ جائے گی، چنانچہ وہ چاروں ہی ضبط کیے بیٹھی رہیں۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو شہروز۔" تائی امی الجھ کر کبھی اسے اور کبھی ان چاروں کو دیکھنے لگیں۔

"ارے ممانی میں نے انہیں دیکھا بھی تھا ان کی شکلیں بالکل کارٹون جیسی تھیں۔" عمر نے ایسے ہاتھ ہلایا، جیسے مکھی اڑا رہا ہو۔

"مگر وہ تھیں کون۔" تائی امی خوا مخواہ ہولنے لگیں۔

"ممانی ٹی وی پر پروگرام آ رہا تھا۔ کیا مزاحیہ پروگرام تھا، ہنس ہنس کر میرے پیٹ میں بل پڑ گئے ان لڑکیوں کی شکلیں دیکھنے سے تعلق رکھتی تھیں۔" تائی امی اس بچکانہ بات پر واپس کھانے کی طرف متوجہ ہو گئیں

جبکہ شازیہ اور رامین کھانے سے ہاتھ روکے ان دونوں کو ایسے دیکھ رہی تھیں، جیسے وہ ہی ان کا کھانا ہوں۔

"وہ پروگرام کل پھر ریپیٹ ہو گا، چاہو تو تم چاروں بھی دیکھ سکتی ہو دوبارہ۔"

شہروز نے کرسی سے اٹھتے ہوئے دوبارہ کو کھینچ کر کہا اور اپنے مخصوص انداز میں ماتھے پر آئے بالوں کو پھونک مار کر اڑاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ تب سے ان دونوں کا خون جل جل کر آدھا ہو گیا تھا شازیہ ایسے ٹہل رہی تھی، جیسے اس کے پیروں میں ٹائر لگ گئے ہوں۔

"ہمارا کیا دماغ خراب ہے، جو ہم دوبارہ وہ پروگرام ... میرا مطلب ہے، دوبارہ اس کے ساتھ کار میں بیٹھنے کے لیے تیار ہو جائیں۔" رامین تلملا کر رہ گئی۔

"ہمیں پہلے ہی سمجھ جانا چاہیے تھا کہ کنجوس مکھی چوس شہروز بھائی اور عمر بھائی کو کیسے آئس کریم کھلانے کا خیال آ گیا۔" شازیہ کو سب سے زیادہ قلق اسی بات کا تھا کہ وہ آئس کریم نہیں کھا سکیں۔ کتنے دنوں سے وہ خواب میں ونیلا اور اسٹرابری آئس کریم دیکھ رہی تھی اور آج خواب پورا ہوتے ہوتے رہ گیا۔

"ہاں اور اس پر شہروز بھائی کہہ رہے تھے، اس وقت تم لوگ آئس کریم کھانے کی پوزیشن میں نہیں ہو۔" رامین اس کی نقل اتارتے ہوئے بولی اور عین اسی کے انداز میں بالوں کو پھونک مار کر کہنے لگی "دل چاہتا ہے کسی رات کو سوتے وقت چپکے سے ان کے بال کاٹ دوں" رامین نے زور سے زمین پر پیر پٹخا اور ٹہلنے لگی ابھی ایک ہی چکر کاٹا تھا کہ وہ ٹھٹھک کر رک گئی اور پلٹ کر شازیہ کو دیکھنے لگی، جس کی آنکھوں میں چمک اتر آئی تھی۔

"کیا تم بھی وہی سوچ رہی ہو، جو میں سوچ رہی ہوں۔" رامین نے شرارت سے پوچھا۔

"آف کورس یس۔ سارے عقل مند لوگ ایک ہی طرح تو سوچتے ہیں۔" شازیہ ایک دم پرجوش ہو گئی۔

"اور اس گھر کے سارے لوگ گھوڑے بیچ کر ہی سوتے ہیں۔" رامین اسی کے انداز میں ایسے بولی، جیسے کوئی شعر پورا کر رہی ہو۔

"تو پھر نیک کام میں دیر کیسی۔" شازیہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنس دی۔

☼ ☼ ☼

تائی امی کے دوسری بار دروازہ پیٹنے پر شہروز نے ذرا سی گردن گھما کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی گھڑی دیکھنی چاہی مگر ٹائم نظر نہیں آیا، کیونکہ ٹائم پیس کے سامنے ایک لفافہ کھڑا تھا جس پر کچھ لکھا بھی تھا۔ شہروز آنکھوں کو ذرا سا چندھیا کر لیٹے لیٹے ہی تحریر پڑھنے لگا اس کی آواز پر عمر کی بھی آنکھ کھل گئی۔

"حسرت ہے ان غنچوں پر جو بن کھلے مرجھا گئے۔" شہروز کہنی کے سہارے بستر پر تھوڑا سا اونچا ہو کر لفافہ اٹھا کر دیکھنے لگا۔

"یہ کون سے غنچے ہیں بھئی۔" کہنے کے ساتھ جیسے ہی اس نے لفافہ کھول کر دیکھا ایک دم بستر پر اٹھ بیٹھا۔

"ارے عمر! اس میں تو کسی کے بال پڑے ہیں، لگتا ہے کوئی چور کسی کے گھر سے یہ بال چرا کر ہمارے گھر کودا ہو گا، مگر کوئی آہٹ وغیرہ ہونے پر وہ یہ بال گھبراہٹ میں یہیں چھوڑ کر بھاگ گیا پتا نہیں کون بے وقوف تھا۔ جس کے سوتے میں کوئی بال بھی کاٹ گیا اور اسے خبر تک نہ ہوئی۔" شہروز بالوں کا معائنہ کرتے ہوئے ہنس دیا، مگر جیسے ہی اس کی نظر عمر پر پڑی، اس کی ہنسی کو بریک لگ گئے۔ وہ ہونق بنا اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا عمر؟ تم مجھے ایسے کیوں دیکھ رہے ہو۔" شہروز نے ڈرتے ڈرتے پوچھا ورنہ جواب تو عمر کی شکل پر لکھا تھا، مگر شہروز یقین نہیں کرنا چاہتا تھا عمر کی خاموشی سے تنگ آ کر شہروز ہمت کر کے آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ خود پر نظر پڑتے ہی اس کا دل چاہا پاکستانی فلم کی ہیروئن کی طرح سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر زور سے نہیں نہیں چلائے، مگر مشکل یہ تھی کہ حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ کسی نے مٹھی میں

جتنے بال آئے پکڑ کر قینچی سے کاٹ دیے چنانچہ آگے کے بال بہت چھوٹے اور درمیان کے بال ترچھے انداز میں کٹ گئے تھے البتہ پیچھے سے بالوں کی لمبائی جوں کی توں تھی کیونکہ وہ ہمیشہ سیدھا سوتا تھا اگر الٹا سوتا تو وہ بھی شہید ہو گئے ہوتے۔

"میں جانتا ہوں یہ کس نے کیا ہے میں انہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا ان دونوں کی اتنی ہمت ــــ" غصے کے مارے وہ الفاظ ادھورے چھوڑ کر دروازے کی طرف بڑھا کہ عمر درمیان میں آ گیا۔

"ایک ایک منٹ یار کیا یہ ضروری ہے کہ تم اپنی بے وقوفی کا اشتہار ساری دنیا میں لگاؤ وہ دونوں یہاں آئیں تمہارے بال کاٹے لفافے میں رکھے اور تمہیں ہی گفٹ کر گئیں ایسے تو بڑی بے عزتی ہوگی۔"

"تمہارے کہنے کا مطلب کیا ہے؟" شہروز اس تمہید سے تنگ آ کر بولا۔

"مطلب یہ کہ شور مچانے کا کوئی فائدہ نہیں الٹا اپنی ہی رسوائی ہے۔ دادا جان سے لے کر گھر کے نوکر تک سب کو تمہارے بال ناپسند ہیں ان کے کٹ جانے پر سب سجدہ شکر ادا کریں گے انہیں ڈانٹ پڑنا تو دور کی بات الٹا انہیں شاباشی ملے گی اگر ہم نے ان کا راز کھولا تو وہ ہمارا راز بھی کھول دیں گی۔ عقل مندی اسی میں ہے کہ ابھی کیپ پہن کر چلو اور بالوں کو پراپر شیپ میں کٹوالو اور یہی ظاہر کرو کہ تم نے اپنی مرضی سے بال کٹوائے ہیں۔"

عمر کی بات میں وزن تھا۔ شور مچانے کی صورت میں اس کا اپنا ہی تماشا بنتا کیونکہ اس کے والد اور دادا جان بھی آج دوپہر تک گھر واپس آنے والے تھے دادا جان سے تو بعید نہیں تھا کہ وہ رامین اور شازیہ سے خوش ہو کر انہیں انعام میں سو روپے ہی دے دیں۔ اس طرح تو اور بے عزتی ہو جائے گی خاموشی میں ہی عافیت سمجھ کر وہ کیپ لگا کر اسکول کے لیے نکل گیا۔ ناشتے کی میز پر ان دونوں کا سامنا نہ ہو چنانچہ بغیر کچھ کھائے پیے وقت سے پہلے ہی گھر سے نکل گیا۔ واپسی میں بال کٹوانے کے بعد جب وہ گھر پہنچا۔ تو اسے معمول سے زیادہ دیر ہو گئی تھی۔ دادا جان اور تایا ابو بھی آ چکے تھے اور سب کھانا شروع کر چکے تھے۔

"کہاں رہ گئے تھے تم دونوں اور صبح ناشتا کیے بغیر چلے گئے۔ سلام تک نہیں کیا جانے سے پہلے۔" تائی امی عمر پر نظر پڑتے ہی بولنے لگیں مگر جیسے ہی شہروز نے ڈائننگ روم میں قدم رکھا وہ اپنی بات بھول کر اسے حیرانی سے دیکھنے لگیں۔ شازیہ اور رامین تو صبح سے اس کا ردعمل جاننے کے لیے بے چین تھیں لہٰذا ان کی نظریں تو پہلے سے ہی دروازے پر ٹکی تھیں۔ اس پر نظر پڑتے ہی وہ بھی چونک اٹھیں۔ بالوں کی اتنی اچھی سیٹنگ دیکھ کر بھی انہیں یہ خیال نہیں آیا کہ یہ کسی ماہر ہاتھوں کا کمال ہے وہ تو یہ سوچ کر حیران تھیں کہ اتنی جلدی میں اتنے اندھیرے میں اور اتنی گھبراہٹ کے عالم میں انہوں نے صرف ایک بار قینچی چلائی تھی پھر بھی بال اتنے قرینے سے کیسے کٹ گئے؟ وہ تو اب تک یہ سوچ کر خوش ہو رہی تھیں کہ شہروز کی شکل اتنی بگڑ گئی ہو گی کہ وہ منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا اور صبح بغیر کسی سے ملے چپ چاپ گھر سے نکل گیا۔ شہروز بظاہر انہیں نظر انداز کرتا سب کو سلام کرنے لگا۔ حالانکہ اسے ان دونوں کی کیفیت کا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا۔

"تم نے بال کٹوا دیے شہروز۔" دادا جان اس کے سلام کا جواب دے کر خوشگوار حیرت سے کہنے لگے۔

"جی دادا جان! وہ ہیئر اسٹائل آپ کو پسند نہیں تھا۔ اس لیے میں نے سوچا آپ کے آنے سے پہلے ان بالوں کو کٹوا دوں۔" شہروز سعادت مندی سے بولا۔

"واقعی یہی بات ہے یا اسکول میں ٹیچر نے بالوں کی پونی باندھ دی۔" دادا جان سے پہلے تایا ابو بولے۔

"میری کلاس میں تقریباً سارے ہی لڑکوں کے بال ایسے ہیں ٹیچر کس کس کو روکیں گی۔" صرف ایک پل کے لیے شہروز کی آواز میں حسرت گھل گئی مگر اگلے ہی پل وہ اپنا لہجہ ہشاش بشاش بناتے ہوئے بولا۔

"کلاس میں کوئی پرابلم نہیں ہوتی وہاں ہم جیل لگا لیتے ہیں۔ میں نے تو صرف دادا جان کی خوشی کی خاطر یہ سب کیا ہے۔"

"اچھا! چلو مان لیتے ہیں ویسے اچھے لگ رہے ہو تم انسان بن کر۔" تایا ابو مسکرا کر بولے۔

"میرا بیٹا تو ہر حلیے میں اچھا لگتا ہے۔" تائی امی جواب تک چاروں قل پڑھنے میں مصروف تھیں اس پر دم کر کے نہال ہونے والے انداز میں بولیں۔ شہروز بظاہر مسکراتا رہا وہ ان دونوں کو ایک منٹ کی خوشی بھی نہیں دینا چاہتا تھا جو شکل سے حواس باختہ لگ رہی تھیں۔

"بھائی آپ نے سچ مچ بال کٹوا دیے۔" تھوڑی دیر بعد شازیہ نے آہستگی سے پوچھا۔ وہ تو ایسے کھانا کھانے میں مصروف تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

"ہاں آج صبح جب سو کر اٹھا تو بال بہت بے ترتیب لگ رہے تھے تو سوچا انہیں کٹوا دینا چاہیے۔" شہروز کے لہجے میں اتنی لاپروائی تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگیں۔

"آپ کو میز کے پاس کوئی لفافہ رکھا نظر نہیں آیا؟" رامین اپنی ساری محنت بے کار جاتی دیکھ کر صدمے سے بولی۔

"لفافہ نہیں تو" اچھا ہاں ہاں وہ دراصل صبح اسکول جانے کی اتنی جلدی تھی کہ میں نے وہ لفافہ عمر کو دے دیا اور اس پاگل نے بغیر دیکھے جانے وہ لفافہ کہاں پھینک دیا۔ کیوں کیا کوئی خاص چیز تھی اس میں۔" شہروز براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اتنے اعتماد سے بولا کہ رامین نہ چاہتے ہوئے بھی یقین کرنے پر مجبور ہو گئی۔ عمر بھی اسی کے انداز میں کہنے لگا۔

"ارے! تم لوگوں کو تو معلوم ہے نا ہمارے ایگزام ہونے والے ہیں آج اسکول کا آخری دن تھا ذہن میں اتنی چیزیں گھوم رہی تھیں کہ کئی فالتو پیپرز کے ساتھ میں نے بے خیالی میں وہ لفافہ بھی پھینک دیا۔" وہ دونوں کیا کیا سوچ رہی تھیں کہ شہروز ایسے غصہ کرے گا یہ کہے گا وہ کہے گا مگر یہاں تو اسے پتا ہی نہیں چلا کہ وہ کیا کارنامہ انجام دے چکی ہیں۔ وہ دونوں بدظن ہو کر کھانا کھانے لگیں جبکہ شہروز اور عمر ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیے۔

☼ ☼ ☼

ان کے ایگزام شروع ہوئے تو وہ سنجیدگی سے پڑھائی کی طرف متوجہ ہو گئے اور انہیں ہر وقت کمرہ بند کیے پڑھتا دیکھ کر شازیہ چڑنے لگتی۔ سارا دن کوئی اسے تنگ نہ کرتا اور نہ وہ کسی سے بدلہ لیتی تو ایسے میں اسے پہاڑ جیسا دن کاٹنا مشکل لگنے لگتا اور پھر ہنسی مذاق اپنی جگہ اس کا وقت ان دونوں کے بغیر کٹتا بھی نہیں تھا۔ وہ سارے کھیل ساتھ ہی کھیلتے تھے اسی لیے وہ سخت بور ہو رہی تھی۔ بوریت رامین کو بھی ہوتی تھی مگر ساتھ ہی وہ یہ بھی کہہ دیتی۔

"سارا سال جھک مارتے ہیں وہ دونوں اچھا ہے کم از کم ایک مہینہ تو لگ کر پڑھیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر ہماری تو ساری چھٹیاں ضائع ہو گئیں نا جب ہمارے ایگزام ہو رہے تھے اسی وقت ان کے بھی امتحان ہو کر ختم ہو جاتے تو کتنا اچھا ہوتا اب جب وہ امتحان کے بعد چھٹیاں منائیں گے تب ہماری نئی کلاسز شروع ہو جائیں گی۔" شازیہ کی بوریت عروج پر تھی۔

"ٹھیک ہے میں بورڈ آف ایجوکیشن کو خط لکھ دوں گی کہ برائے مہربانی اس گمبھیر مسئلے کی طرف توجہ فرمائیں۔" رامین اسے اطمینان دلاتے ہوئے کہتی مگر ان کے امتحان ختم ہوتے ہی شازیہ کا اطمینان مکمل طور پر ختم ہو گیا ابھی پکنک اور آؤٹنگ کے پروگرام زیر عمل بھی نہیں ہو سکا تھا کہ تائی امی نے بتایا کہ شہروز کی کلاس کا کوئی لڑکا پڑھائی کے لیے آسٹریلیا جا رہا ہے اور شہروز بھی چاہتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ آسٹریلیا چلا جائے حالانکہ تائی امی اس کے باہر جا کر پڑھائی کرنے کے بالکل حق میں نہیں تھیں ان کا کہنا تھا کہ وہ کم از کم انٹر یہاں سے کر لے پھر بھلے جہاں جانا چاہے چلا جائے مگر شہروز اپنے دوست کے ساتھ ہی جانا چاہتا تھا۔ تائی امی اپنے طور پر اسے سمجھا رہی تھیں مگر

انہیں پتا تھا اگر تایا ابو نے اجازت دے دی تو پھر ان کا انکار کوئی اہمیت نہیں رکھے گا اس لیے اپنے طور پر انہوں نے تایا ابو کو سمجھانا شروع کر دیا کہ اسے آسٹریلیا نہ بھیجا جائے' چنانچہ شہروز نے آخری امید کے طور پر دادا جان کی طرف رجوع کیا۔ جب سے شازیہ کو یہ بات پتا چلی تھی اس کا سارا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔

"کیا عمر بھائی بھی جا رہے ہیں۔" رامین اس کی اتری شکل دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"نہیں کوئی شوق نہیں۔ ایک بس شہروز بھائی کا ہی دماغ خراب ہو رہا ہے۔ امی کہہ رہی تھیں' ایک بار اگر بھائی چلے گئے تو پھر کبھی واپس نہیں آئیں گے' وہیں کسی انگریز لڑکی سے شادی کر لیں گے۔" شازیہ روہانسی ہو رہی تھی۔ رامین بے اختیار ہنس پڑی۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے' ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں باہر سے کون لوٹ کر آتا ہے۔ ہم شہروز بھائی کی شکل کے لیے بھی ترس جائیں گے اور ابھی ان کی عمر ہی کیا ہے صرف پندرہ سال۔ وہاں کا ماحول اتنا خراب ہے کہ وہ بالکل ہاتھوں سے نکل جائیں گے۔" شازیہ اپنی ماں کے الفاظ دوہرا رہی تھی رامین کو اس کی باتوں سے کچھ کچھ اتفاق تھا' مگر اس معاملے میں وہ کچھ کر نہیں سکتی تھی۔

"تم فکر مت کرو' تایا ابو بھی انہیں بھیجنے کے حق میں نہیں ہیں۔" رامین نے گویا تسلی دی۔

"لیکن اگر انہوں نے دادا جان کو منا لیا تو۔" شازیہ کے لہجے میں خدشات بول رہے تھے۔

"تو ہم دادا جان کو بھی اپنا ہم خیال بنا لیتے ہیں۔ تم بس شہروز بھائی پر نظر رکھو' وہ کب دادا جان سے بات کرتے ہیں۔" رامین صرف اسے بہلانے کے لیے کہتی ورنہ وہ جانتی تھی اگر شہروز نے جانے کا ارادہ کر لیا ہے تو کوئی اسے سمجھا نہیں سکتا اور جہاں تک سوال انٹر کے بعد جانے کا ہے تو ابھی جائے یا دو سال بعد کوئی فرق نہیں پڑنے والا تھا اور شہروز نے بھی دادا جان کے سامنے سب سے پہلے یہی بات کہی۔

شازیہ کو جیسے ہی پتا چلا کہ شہروز اور عمر' دادا جان کے کمرے میں ہیں۔ وہ اسے گھسیٹتی ہوئی دادا جان کے کمرے کی کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوئی' جہاں سے اندر کی گفتگو صاف سنی جا سکتی تھی۔ شازیہ کی توقع کے عین مطابق ان کے مابین شہروز کے آسٹریلیا جانے کا ہی ذکر ہو رہا تھا۔

"دادا جان! میں ابھی جاؤں' یا دو سال بعد' اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" اندر سے شہروز کی آواز سنائی دی۔

"تمہاری امی کا کہنا ہے' تم ابھی بہت چھوٹے ہو۔" دادا جان تحمل سے بولے۔

"اور دو سال بعد میں بہت بڑا ہو جاؤں گا۔" شہروز برجستہ بولا' پھر خود ہی کہنے لگا۔

"دادا جان آپ ایمان داری سے بتائیں امی کی نظر میں' میں کبھی بڑا ہوں گا۔ ابھی میرا کلاس فیلو وہاں جا رہا ہے' اس کی فیملی کے لوگ وہاں رہتے ہیں' انہوں نے وہاں کے کالجز کی معلومات بھیجی ہیں۔ جو پرسنٹیج میری آئے گی' مجھے یقین ہے اس پر مجھے وہاں آرام سے ایڈمیشن مل جائے گا۔ میرا دوست وہاں میرے ساتھ ہو گا تو مجھے ایڈجسٹ ہونے میں اتنی مشکل بھی نہیں ہو گی لیکن اگر میں دو سال بعد گیا تو ہو سکتا ہے تب تک میرا وہ دوست میرے کانٹیکٹ میں نہ رہے پھر مجھے ساری معلومات خود کرنی پڑے گی اور پھر میں کوئی ہمیشہ کے لیے نہیں جا رہا۔ میں پڑھائی ختم کر کے واپس آ جاؤں گا۔ یہاں آپ نے جس بزنس کو اتنی محنت سے سینچا ہے اسے سنبھالنے میں میں آپ کی مدد کروں گا مگر تعلیم صرف نوکری ڈھونڈنے کے لیے حاصل نہیں کی جاتی' اگر ہمارے پاس وسائل ہیں اور اگر میرے اندر صلاحیت ہے تو مجھے آگے پڑھنا چاہیے۔" شہروز کی باتیں سن کر رامین کو یقین ہونے لگا' دادا جان اس کے حق میں فیصلہ کر دیں گے۔

"لیکن یہ کوئی ضروری تو نہیں کہ تعلیم پاکستان سے باہر جا کر حاصل کی جائے' یہ کام تم یہاں بھی تو کر سکتے ہو۔" دادا جان نے اس کی اتنی لمبی بات کے جواب میں اطمینان سے کہا ان کے لہجے سے کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ وہ شہروز کی دلیلوں سے قائل ہوئے ہیں یا نہیں

البتہ ان کے سوال پر جس طرح شازیہ نے سر ہلایا اس سے صاف لگ رہا تھا جیسے دادا جان نے اس کے منہ کی بات چھین لی ہو۔ رامین اس کے انداز پر زیر لب مسکرا دی۔

"بے شک میں یہاں رہ کر بھی اپنی تعلیم حاصل کر سکتا ہوں' مگر مجھے کوئی کام تو میری مرضی سے کرنے دیا جائے۔ پاپا کہتے ہیں ہم نے اتنی محنت سے مارکیٹ میں اپنا نام بنایا ہے کل کو تم سب کو یہ سارا بزنس سنبھالنا ہے تم لوگ نہیں دیکھو گے تو ہماری ساری محنت ضائع ہو جائے گی۔ میں اپنی پسند سے کوئی فیلڈ نہیں چن سکتا تو کم از کم مجھے میری مرضی سے تعلیم تو حاصل کرنے دیں۔" شہروز اور عمران کے پاس زمین پر بیٹھے تھے۔ شہروز کے التجائیہ انداز پر وہ اس پر سے نظریں ہٹا کر عمر کو دیکھنے لگے جو مکمل طور پر اس کا حمایتی نظر آ رہا تھا۔

"کیا تم بھی اس کے ساتھ جانا چاہتے ہو۔" دادا جان نے پوچھا۔

"مجھے ایسا کوئی شوق نہیں ہے' لیکن اگر شہروز جانا چاہتا ہے تو سب اسے کیوں روک رہے ہیں آخر لڑکے پڑھائی کرنے بیرون ملک جاتے ہی ہیں' بلکہ اب تو لڑکیاں بھی جانے لگی ہیں۔ جب اس کا مقصد غلط نہیں ہے تو پھر سب کو اعتراض کیوں ہے۔" عمر صاف گوئی سے بولا شازیہ اس کی بات پر سر جھٹک کر رہ گئی۔

"بات اعتراض کی نہیں' دور اندیشی کی ہے۔ باہر بہت آزاد ماحول ہے اور ابھی شہروز بہت کم عمر ہے۔ اس کی ماں کو جو خدشات لاحق ہیں وہ بے جا نہیں ہیں ابھی تم نے صرف اسکول ختم کیا ہے' ذہنی اور جذباتی طور پر تم بالکل بچے ہو۔" دادا جان رسانیت سے بولے۔

"میرے خیال سے انسان جب تک والدین کے ساتھ رہتا ہے' وہ بچہ ہی بنا رہتا ہے۔ دو چار سال بعد بھی میں آپ سب کی نظروں میں ایسا ہی رہوں گا اور جہاں تک سوال آزاد ماحول کا ہے تو کیا پاکستان میں رہ کر لڑکے بگڑتے نہیں ہیں' ڈرگس سے لے کر دہشت گردی تک سارے کاموں میں نوجوان لڑکے ہی ملوث ہیں۔" شہروز سنجیدگی سے بولا۔

"شہروز! میں تمہاری بات سے پوری طرح متفق ہوں' ویسے بھی میں بچوں پر دباؤ ڈالنے کا قائل نہیں اور حصول تعلیم تو ایسا مقصد ہے جس میں بچوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے پھر تم تو ہمیشہ پڑھائی میں اچھے رہے ہو۔ ہو سکتا ہے۔ تمہاری مرضی کے خلاف اگر ہم تمہارا ایڈمیشن یہاں کی کسی یونیورسٹی میں کرا دیں تو چاہے وہ آسٹریلیا کے کالجز سے لاکھ گنا اچھی ہو مگر تمہاری کارکردگی وہاں پڑھ کر خراب ہو جائے گی' کیونکہ تمہاری دلچسپی تعلیم سے ختم ہو سکتی ہے اور یہ بات میں تمہارے والدین کو سمجھاؤں گا تو وہ سمجھ بھی جائیں گے اس کے بعد وہ تمہارے سامنے ایک شرط رکھیں گے اگر تمہیں وہ شرط منظور ہو تو ان سے بات کی جائے' ورنہ نہیں۔" دادا جان کی بات پر جہاں شازیہ بے چینی سے انگلیاں مروڑنے لگی' وہیں کمرے کے اندر شہروز بے صبری سے بولا۔

"مجھے ان کی ہر شرط منظور ہے۔"

"پہلے سن تو لو یار۔" عمر نے تنبیہی انداز میں کہا۔

"بیٹوں کو اپنے سے دور بھیجتے وقت والدین کو اور خاص طور پر ماؤں کو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں بیٹا وہاں کسی غیر مذہب لڑکی سے شادی نہ کر لے۔"

دادا جان کی بات پر شہروز اور عمر نے بمشکل اپنی مسکراہٹ کو روکا جب کہ شازیہ تائیدی انداز میں اپنے سر ہلانے لگی' جیسے دادا جان اس کی رائے پوچھ رہے ہوں۔

"اس لیے' اگر تم جانے سے پہلے پاکستان میں شادی کر لو تو ان کی آدھی پریشانی ختم ہو جائے گی۔"

"شادی!" شہروز اچنبھے سے بولا۔

"شادی سے میرا مطلب ہے نکاح' نکاح ابھی کر دیں گے رخصتی کچھ سالوں بعد ہو گی' جب تم پڑھائی ختم کر کے واپس آ جاؤ گے۔" دادا جان اطمینان سے بولے جب کہ چاروں سامعین حیرانی سے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ شازیہ اور رامین کی دلچسپی ایک دم بڑھ گئی۔

"لیکن دادا جان ان سب کاموں میں تو بہت ٹائم لگے گا جب کہ شہروز رزلٹ آنے سے پہلے ہی سارے ڈاکومنٹس تیار رکھے گا ورنہ وہاں سمسٹر شروع ہو جائیں گے۔" عمر الجھ کر بولا تو شہروز مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

"اچھا ہے نا جب تک امی اور ڈیڈی لڑکی ڈھونڈیں گے، میں فلائی کر چکا ہوں گا بات ختم۔ ویسے بھی کون والدین ہوں گے جو اپنی بیٹی کی شادی میرے جیسے لڑکے کے ساتھ کردیں گے جس کی عمر ابھی صرف پندرہ سال ہے۔ جس کی پڑھائی بھی پوری نہ ہوئی ہو اور جو ابھی کچھ کماتا بھی نہ ہو۔" شہروز خوشی خوشی خامیاں گنواتا گیا۔

"لڑکی ہم نے ڈھونڈ رکھی ہے برخوردار۔" دادا جان اسے خوش ہوتا دیکھ کر بولے۔

"جس کے والدین ان تمام باتوں کے باوجود اس شادی کے لیے تیار ہیں یعنی کہ اگر تم آج ہاں کرو تو شام تک تمہارا اس کے ساتھ نکاح بھی ہو سکتا ہے۔" دادا جان ان دونوں کے تاثرات دیکھ کر محظوظ ہوتے ہوئے بولے۔

"کون؟" شہروز نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ باہر وہ دونوں بھی سانس روکے دادا جان کے جواب کی منتظر تھیں۔

"ابھی تک نہیں سمجھے۔ رامین اور کون۔" رامین کو لگا اس کے بہت قریب کوئی دھماکا ہوا ہو۔ یہ بات تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ چونکی تو شازیہ بھی تھی، اگلے ہی پل اس نے دونوں ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لیے کہ کہیں خوشی کے مارے اس کے منہ سے چیخ نہ نکل جائے۔ حیرت اور خوشی کی ملی جلی کیفیت میں اس نے رامین کی طرف دیکھا مگر اس کا سارا دھیان شہروز کی طرف منتقل ہو گیا تھا کیونکہ اندر کمرے میں خاموشی چھا گئی تھی اور وہ اس کا رد عمل سمجھ نہیں پا رہی تھی آخر دادا جان نے ہی خاموشی کو توڑا۔

"اتنا کیوں حیران ہو رہے ہو، ہم نے تو یہ سب بہت عرصے سے سوچ رکھا ہے اگر تم آسٹریلیا جانے کی بات نہ کرتے تو تمہیں آج بھی پتا نا چلتا۔"

"لیکن دادا جان رامین تو بچی ہے۔" شہروز کے لہجے میں الجھن نمایاں تھی۔

"تم بڈھے ہو گیا۔" دادا جان کا انداز شرارتی ہو گیا۔ دوسری طرف شازیہ بھی معنی خیز انداز میں آنکھیں گھمائے جا رہی تھی اس کا دھیان بالکل بھی اندر ہونے والی گفتگو پر نہیں تھا جبکہ رامین کی ساری توجہ اسی طرف تھی۔ اس کی ساری حسیات بیدار ہو گئی تھیں، اسے لگ رہا تھا وہ صرف شہروز کی آواز نہیں سن رہی بلکہ اس کے تاثرات بھی دیکھ رہی ہو۔ مضطرب ہچکچاتا ہوا تاثر۔

"اگر میں ہاں کر دوں تو بابا مجھے آسٹریلیا بھیج دیں گے۔" شہروز نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"پھر تو وہ اعتراض کریں گے ہی نہیں۔" دادا جان بہت زیادہ پر اعتماد تھے۔

"ٹھیک ہے پھر میں تیار ہوں۔" ایک سیکنڈ لگا تھا اسے فیصلہ کرنے میں اور ایک ہی سیکنڈ لگا تھا رامین کو اپنی حیثیت سمجھنے میں۔ شازیہ شہروز کے الفاظ پر دھیان دیے بغیر نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے شہادت والی انگلیاں اٹھا کر "بلے بلے" والے انداز میں ناچنے لگی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اب اسے شہروز کے چلے جانے کی کوئی فکر نہ رہی ہو، یا شاید خوشی کے باعث اس کی اداسی وقتی طور پر دور ہو گئی تھی۔

"کیا کہہ رہے ہو شہروز۔ پہلے تھوڑا سوچ لو۔" عمر نے ٹوکا۔

"ہوں۔ اچھی طرح سوچ لو ایسی کوئی جلدی نہیں ہے۔" دادا جان نماز کا وقت ہوتا دیکھ کر بات ختم کرتے ہوئے اٹھ گئے تو شہروز بھی کھڑا ہو گیا۔

"نہیں دادا جان سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ ڈیڈی کو سمجھا کر دیکھ لیں، اگر وہ اس شرط پر مان جاتے ہیں تو آپ بھی بحث مت کیجیے گا اور ہاں کر دیجیے گا۔" شہروز کی بات پر انہوں نے مسکراتے ہوئے اسے گلے لگایا اور وضو کرنے باتھ روم میں چلے گئے ان

کے دروازے بند کرتے ہی عمر کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔

"پاگل ہو گئے ہو کیا۔ یہ کوئی عمر ہے، تمہاری شادی کی۔ کیوں ابھی سے خود کو پابند کر رہے ہو۔"

"پابندی کیسی؟ ابھی کر لیتا ہوں بعد میں چھوڑ دوں گا۔" حد درجہ لاپروائی سے کہے گئے یہ الفاظ پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اس کے کان میں اترے تھے۔ ایک لمحے کے لیے شازیہ بھی ٹھٹھک کر اس کی شکل دیکھنے لگی، مگر اگلے ہی پل انہیں دروازے سے نکلتا دیکھ کر وہ دونوں جلدی سے کھڑکی کے پاس سے ہٹ گئیں اور تیزی سے اپنے روم کی طرف دوڑ پڑیں۔

☼ ☼ ☼

دادا جان نے تایا ابو سے کیا بات کی وہ راضی ہوئے یا نہیں رامین کو کچھ خبر نہیں تھی۔ شازیہ اکثر ٹوہ لینے کی کوشش کرتی مگر اسے کوئی خاص کامیابی نہ ہوتی دراصل وہ شہروز پر یہ ظاہر بھی نہیں کرنا چاہتی تھی کہ اس نے ساری باتیں سن لی ہیں۔ اس کے جانے کے متعلق بھی جب تک یونیورسٹی سے کوئی جواب نہیں آتا کچھ یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھا، ویسے بھی شہروز انہیں ابھی سے پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا، لہٰذا ساری کاغذی کارروائی پوری ہونے کے بعد جب شہروز کے جانے میں صرف پندرہ دن رہ گئے تب ان تمام کزنز کو اس کے جانے کا علم ہوا۔ شازیہ نے باقاعدہ ہچکیوں سے رونا شروع کر دیا مگر شہروز جذباتی ہونے کی بجائے الٹا اس کا مذاق اڑاتا رہا، آخر وہ ناراض ہو کر اپنے کمرے میں چلی گئی اس کی یہ ناراضگی بڑی طویل ہوتی۔ لیکن جیسے ہی اسے یہ پتا چلا کہ دو دن بعد گھر میں ایک چھوٹی سی تقریب ہے، جس میں سارے قریبی رشتے دار شرکت کر رہے ہیں اور اسی تقریب میں شہروز اور رامین کا نکاح ہونا تھا شازیہ ساری ناراضگی بھول کر رامین کے پاس جا پہنچی اسے فوراً "اپنے جوتوں اور کپڑوں کی فکر ستانے لگی تھی۔ اپنی خوشی میں وہ یہ بھی محسوس نہیں کر سکی کہ اس کی بات سن کر رامین پر سکتہ طاری ہو گیا ہے۔ وہ بے یقینی سے شازیہ کی باتیں سن رہی تھی۔ سب کچھ طے ہو گیا اور اس سے پوچھنا تو دور کی بات کسی نے اسے بتانا تک ضروری نہیں سمجھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا صاف انکار کر دے مگر وہ جانتی تھی وہ ایسا نہیں کر سکے گی اسے تو امی یا کسی اور سے اس موضوع پر بات کرنا بھی بہت مشکل لگ رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کرے تو کیا کرے وہ ہرگز اس طرح نہ سوچتی اگر اس نے شہروز کا وہ جملہ نہ سنا ہوتا کہ "ابھی کر لیتا ہوں بعد میں چھوڑ دوں گا" شہروز کی آواز کی بازگشت اسے ہر وقت اپنے آس پاس سنائی دیتی اور ہر بار اسے پہلے سے زیادہ ہتک کا احساس ہوتا اور رہ رہ کر گھر کے تمام لوگوں پر غصہ آنے لگتا بھلا شہروز کے آسٹریلیا جانے سے اس کی شادی کا کیا تعلق ہے؟

"کیا ہوا رامین تم اتنی چپ کیوں ہو؟" اتنی دیر بعد شازیہ کو خیال آیا تھا کہ وہ اس کی باتوں میں بالکل دلچسپی نہیں لے رہی۔

"شازیہ۔۔۔۔ یہ شادی کیسے ہو سکتی ہے، تم نے سنا تو تھا تمہارے بھائی نے کیا کہا تھا' ابھی کر لیتا ہوں بعد میں چھوڑ دوں گا۔" رامین اس کے انجان بن کر پوچھنے پر بری طرح چڑ گئی۔ اس کے جھنجھلانے پر پہلے تو شازیہ نے حیران ہو کر اسے دیکھا پھر گلا پھاڑ کر ہنسنے لگی اس کی عادت تھی خوشی کے وقت وہ ایسے ہی کھلکھلانے لگتی مگر اس وقت اسے شازیہ کا ہنسنا زہر لگ رہا تھا۔

"میں نے کوئی لطیفہ نہیں سنایا ہے، جو تم ایسے ہنس رہی ہو۔"

"تم ابھی تک اس بات کی وجہ سے پریشان ہو؟ ارے یار! وہ تو بھائی نے ایسے ہی کہہ دیا تھا۔ تم کہو تو میں بھائی سے ابھی پوچھ لیتی ہوں۔"

"اگر تمہیں میرا ذرا بھی خیال ہے تو تم ان سے کچھ نہیں پوچھو گی۔" رامین کے نہایت سختی سے کہنے پر شازیہ نے کندھے اچکا دیے۔

"چھوڑ یار بے کار کی باتیں۔ بازار چلنے کی تیاری کرو امی اور چچی جان بازار جا رہی ہیں، تمہارا جوڑا خریدنے۔" شازیہ کا جوش و خروش دوبارہ عروج پر پہنچ

گیا۔

"باقی سب کون سا میری مرضی سے ہو رہا ہے جو جوڑا میری پسند کا لینا ضروری ہو۔" رامین کو رونا آنے لگا شازیہ کو غیر سنجیدہ دیکھ کر جب وہ اس کی بات نہیں سمجھ رہی تھی جس نے خود شہروز کو یہ سب کہتے سنا تھا تو باقی سب کیا سمجھیں گے۔

"ارے یار! تم کیوں اتنی سیریس ہو رہی ہو۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے 'میرے بھائی جیسا گڈ لکنگ لڑکا وہ کیا محاورہ ہے 'ہاں چراغ لے کر ڈھونڈو تو بھی نا ملے'" امی' تائی امی اور پھوپھی جان کے آجانے پر شازیہ کی بات درمیان میں رہ گئی وہ سب آپس میں باتوں میں اتنی مگن تھیں کہ رامین کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا ان سے کیا کہے اور کیسے کہے انہوں نے جب اسے بازار چلنے کے لیے کہا' تو وہ ہزار کوشش کے باوجود کچھ نہ کہہ سکی سوائے اس کے کہ۔

"میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔"

"ہاں ہاں! تم گھر میں آرام کرو تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی اور باہر گرمی بھی بہت ہے۔" تائی امی کے لہجے میں شہد گھلا ہوا تھا وہ ویسے بھی بہت محبت کرنے والی ہستی تھیں اور اس وقت تو انہیں رامین پر کچھ زیادہ ہی پیار آرہا تھا' مگر پہلی بار اسے ان کی محبت دیکھ کر کوفت ہو رہی تھی اسے ہر ایک پر غصہ آرہا تھا مگر یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اپنا غصہ کیسے نکالے۔ بے بسی کے احساس نے جیسے اسے ایک دم چپ کر دیا۔

دو دن دو منٹ کی طرح گزر گئے۔ لاہور سے اس کے ننھیال والے بھی شرکت کرنے آگئے تھے۔ نکاح سمیت سارے کام بڑی خوش اسلوبی سے ہو گئے۔ بس اسے ہر وقت ایک نامعلوم سی بے چینی گھیرے رہتی۔ شہروز کے جانے میں بہت کم دن رہ گئے تھے' چنانچہ وہ اپنے نانا نانی کے گھر رہنے چلا گیا۔ وہاں سے وہ اپنے ماموں کے بیٹوں کے ساتھ مختلف مقامات کی سیر کے لیے نکل گیا۔ عمر کی بھی شہروز کے ماموں زاد بھائیوں سے بہت دوستی تھی اس لیے وہ سب مل کر چلے گئے ان کے اسکول بند بھی ہوتے تب بھی ـ اجازت نہ ملتی کیونکہ اس ٹور پر صرف لڑکے جا رہے تھے۔

"ایک تو بھائی پہلے ہی آسٹریلیا جا رہے ہیں اس میں بھی جو تھوڑا سا وقت بچا تھا ہمارے ساتھ گزارنے کا وہ بھی بھائی نے مری اور کاغان وغیرہ میں ضائع کر دیا۔" شازیہ سارا دن غصہ کرتی پھرتی' البتہ رامین کو شہروز کے جانے سے ایک عجیب سا سکون ملا تھا۔ اتنے لمبے ٹور کے بعد جب وہ گھر پہنچا تو اس کے آسٹریلیا جانے میں صرف ایک دن رہ گیا تھا اس ایک دن میں اسے کئی کام نبٹانے تھے کہ تایا ابو نے اس کی اچھی خاصی کلاس لے ڈالی اتنے دن ضائع کرنے پر۔

"اب کون سا روز روز جائے گا وہ۔ پتا نہیں دوبارہ کب ملاقات ہو گی ان تمام کزنز سے۔" تائی امی اس کا دفاع کرتے ہوئے گلوگیر لہجے میں بولیں' آج کل وہ شہروز کے لیے کچھ زیادہ ہی حساس ہو رہی تھیں شہروز کو خود احساس تھا اس نے کافی وقت ضائع کر دیا ہے اس لیے فوراً" اپنے ڈاکومنٹس اور پیکنگ کی طرف متوجہ ہو گیا سامان دیکھنے پر پتا چلا اس میں کئی چیزیں کم ہیں تو وہ اور عمر اسی وقت بازار کے لیے نکل گئے غرض یہ کہ وہ پورا دن گھن چکر بنا رہا۔ اگلے دن صبح نو بجے اس کی فلائیٹ تھی اور اسے سات بجے ہر حال میں ایئرپورٹ پہنچنا تھا۔

وہ رات کے گیارہ بجے تایا ابو کے ساتھ اپنے اس دوست کے گھر سے لوٹا تھا جس کے ساتھ اسے آسٹریلیا جانا تھا' پتا نہیں کون کون سے کام تھے جو ختم ہی نہیں ہو رہے تھے۔ شازیہ اس کا انتظار کرتے کرتے سو گئی۔ ویسے بھی نیند کی کچی تھی' اتنے دنوں کی چھٹیوں کے بعد اسکول شروع ہوئے تھے اس کی تو صبح اٹھنے کی عادت ہی ختم ہو گئی تھی اور آج تو اسے سارا دن لیٹنے کا وقت نہیں ملا تھا' لہٰذا وہ بستر پر لیٹتے ہی سو گئی۔ رامین بھی صبح کی اٹھی ہوئی تھی' مگر جانے کیوں اسے بالکل نیند نہیں آرہی تھی وہ خالی الذہنی کے عالم میں بستر پر چت لیٹی چھت کو تک رہی تھی تب ہی اس کے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ حیران سی ہو کر اٹھ بیٹھی۔ اپنے کمرے میں ہونے کے باوجود اسے

احساس ہو گیا تھا کہ سب اپنے اپنے کمروں میں سونے جا چکے ہیں۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو شہروز کو سامنے کھڑا دیکھ کر مزید حیران ہو گئی۔

"تم سب اتنی جلدی سونے لگے۔ حد ہو گئی۔ میں کل جا رہا ہوں اور تم سب سو رہے ہو۔" شہروز دروازے کو دھکیلتا اطمینان سے کمرے میں داخل ہو گیا اور آتے ہی لائیٹ آن کر دی اتنی دیر سے اندھیرے میں ہونے کے باعث رامین کی آنکھیں اس اچانک روشنی پر بری طرح چندھیا گئیں، مگر شازیہ کو احساس تک نہیں ہوا وہ بہت گہری نیند میں تھی۔

"میں ماموں کے گھر تھا تو شازی روز فون کر کے کہتی تھی، واپس آجائیں اور اب جب کہ میں آگیا ہوں تو تم بڑی سو رہی ہو۔ یہ رات کوئی سونے کے لیے ہے، چلو اٹھو مجھے ابھی بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔" شہروز اس کا کندھا ہلا کر اسے جگانے لگا۔ رامین ایک طرف خاموشی سے کھڑی اسے دیکھ رہی تھی وہ جانتی تھی مردوں کو جگانا شازیہ کو جگانے سے زیادہ آسان ہے۔

"شازی That's not fair (یہ ٹھیک نہیں ہے) وہاں عمر نہیں اٹھ رہا اور یہاں تم۔" شہروز کو جھنجلاہٹ ہونے لگی۔ رامین چپ چاپ یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ وہ ہر روز صبح صبح اس صورت حال سے گزرتی تھی جب تائی امی تھک کر شازیہ کو جگانے کی ذمہ داری اسے سونپ دیتی تھیں۔

"یہ صبح کیسے اٹھتی ہے؟" ایک دم شہروز گردن گھما کر اس سے مخاطب ہوا۔ وہ گھبرا گئی۔

"آں ... وہ اس وقت تک نیند پوری ہو چکی ہوتی ہے تو ...." رامین نے غائب دماغی سے جواب دیا۔ وہ شازیہ کو دیکھنے لگا۔

"میری نیند اڑی ہوئی ہے جانے کے خیال سے اور گھر میں ایک فرد بھی ایسا نہیں جو جاگ رہا ہو۔" شہروز بڑبڑانے کے انداز میں بولا وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی طرف دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔ وہ اس سے صرف چند قدم پیچھے کھڑی تھی اور کوئی انسان کم از کم کھڑے کھڑے نہیں سو سکتا۔

"شازیہ میں آخری بار وارننگ دے رہا ہوں، اگر تم نہیں اٹھیں تو پھر میں کبھی بات نہیں کروں گا۔ فون کروں گا مگر تم سے بات نہیں کروں گا۔ تم ترسو گی میری آواز سننے کے لیے۔" رامین کو یقین تھا شہروز کے دھمکانے سے پہلے ہی وہ اٹھ کر بیٹھ جاتی اگر اسے شہروز کی آواز سنائی دے رہی ہوتی، کوئی اور وقت ہوتا تو وہ آگے بڑھ کر شازیہ کو جگانے کی کوشش ضرور کرتی مگر اس وقت شہروز اس کی موجودگی سے جس طرح بے نیاز تھا، اس سے اسے خود لگنے لگا جیسے وہ یہاں ہے ہی نہیں۔

شہروز نے گہرا سانس کھینچا اور ہاتھ میں پکڑا تکیہ اس کے سرہانے رکھ دیا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔ رامین الجھن آمیز نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ اس سے کزن کی حیثیت سے کوئی بات تو کر سکتا تھا۔ آخر پہلے بھی تو وہ سب ہنسی مذاق کرتے تھے مگر جب سے ان کا نکاح ہوا تھا ان کے بیچ کوئی بات نہیں ہوئی تھی، بلکہ ان کا سامنا ہی بہت کم ہوا تھا۔ یہ سب محض اتفاق تھا، یا وہ جان بوجھ کر اسے نظر انداز کر رہا تھا۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

وہ کمرے سے نکلتے وقت لائیٹ آف کر کے دروازہ بند کر گیا اور رامین اپنی جگہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

وہ ساری رات رامین نے جاگ کر گزار دی اسے حقیقتاً "شہروز کے رویّے سے تکلیف پہنچی تھی، اسی لیے جب صبح پانچ بجے کے قریب تائی امی شازیہ اور اسے جگانے آئیں تو وہ سوتی بن گئی۔ شازیہ اس وقت بھی بڑی مشکل سے اٹھی اور اسے بھی جگاتی رہی چونکہ زیادہ وقت نہیں تھا لہٰذا وہ اسے سوتا چھوڑ کر تیار ہونے چلی گئی۔ تایا ابو کا ارادہ اسے ایئرپورٹ چھوڑ کر سیدھا آفس چلے جانے کا تھا مگر شازیہ کی ضد پر انہیں اسے ساتھ لے جانا پڑا چنانچہ شازیہ کی اسکول سے بھی چھٹی ہو گئی۔ دل تو رامین کا بھی نہیں چاہ رہا تھا اسکول جانے کا۔ ساری رات جاگتے رہنے کی وجہ سے سر میں درد ہو گیا تھا، مگر وہ اپنی طبیعت کا بوجھل پن کسی پر ظاہر نہیں کرنا چاہ رہی تھی، ورنہ سب سمجھتے وہ شہروز کے جانے کی وجہ سے اداس ہے۔ وہ اتنی کم عمر ہونے کے باوجود کوئی افسانوی قسم کی لڑکی نہیں تھی جو شہروز کے منہ سے رومانٹک جملے سننے کی منتظر رہتی اسے تو اس بات کا دکھ تھا کہ شہروز نے اسے اپنے مقصد کے حصول کے لیے سیڑھی کے طور پر استعمال کیا ہے اس نے صرف اسے ہی نہیں گھر کے تمام لوگوں کو ایک طرح سے بے وقوف بنایا ہے۔ آج تایا ابو کو منانے کے لیے اس نے نکاح نامے پر سائن کر دیے۔ کل کو جب وہ ان پر انحصار کرنا چھوڑ دے گا تو طلاق نامے پر دستخط کر دے گا۔ اس خیال سے جہاں اس کی آنکھیں بھر آتیں وہیں بے عزتی کا احساس سوا ہو جاتا۔ اس لیے جب کوئی اسے شہروز کے نام سے چھیڑتا تو اس کا غصہ انتہا کو پہنچ جاتا۔ جب وہ اسکول سے گھر آئی تو شازیہ اسی کے انتظار میں ٹہل رہی تھی اسے دیکھتے ہی اس پر چڑھ دوڑی۔

"تم نے مجھے جگایا کیوں نہیں۔" رامین کی سمجھ میں نہیں آیا وہ کیا پوچھ رہی ہے۔

"کیا مطلب؟"

"شہروز بھائی بتا رہے تھے رات کو وہ کمرے میں آئے تھے مجھے جگانے۔ مگر میں اٹھی نہیں تو وہ واپس چلے گئے۔ اسکول جانے کے لیے سخت سردی میں تم فریج کا ٹھنڈا پانی لا کر میرے منہ پر ڈال دیتی ہو اور یہ تک نہیں سوچتیں کہ کہیں میں بیمار نہ ہو جاؤں۔ تو پھر کل رات مجھے جگانے کے لیے تم ایک گلاس پانی نہیں پھینک سکتی تھیں۔" شازیہ یقیناً "ایئرپورٹ پر بہت روئی ہو گی اس کی آنکھیں ابھی تک سرخ ہو رہی تھیں۔

"مجھے خیال ہی نہیں آیا پانی پھینکنے کا۔" رامین نے شرمندہ ہوتے ہوئے پوری ایمان داری سے کہہ دیا۔

"تمہیں خیال کیوں نہیں آیا آخر، تمہیں معلوم تھا میں کب سے بھائی کا انتظار کر رہی تھی۔" شازیہ ناراضی سے بولی۔

"سمجھا کرو یار، ہوتا ہے ایسا بھی کبھی کبھی۔" عمر کی آواز پر وہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگی جو مزے سے مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

رامین اسے نظر انداز کرتی وہیں زمین پر جھک کر اپنے جوگرز کے فیتے کھولنے لگی۔

"خیر یہ تو سچ نہیں ہے۔ تم سب سوتے وقت ایسے مر جاتے ہو کہ رات کو اگر کوئی بال کاٹ کر بھی چلا جائے تو موصوف کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہو۔" شازیہ کے چڑانے پر لڑائی ہونا لازمی تھی۔

"میری آنکھ اسی وقت کھل گئی تھی جب تم لوگوں نے کمرے میں قدم رکھا تھا مگر میں نے سوچا نیکی کے کام میں رکاوٹ ڈال کر میں بھلا کیوں گناہ گار ہوں اچھا ہی ہے اس کے بال کٹ جائیں خوامخواہ قوال لگ رہا تھا۔" عمر نے ڈھٹائی سے جھوٹ بولا۔

"کچھ تو شرم کرو۔ شہروز بھائی کو فلائی کیے ابھی ایک دن بھی نہیں گزرا اور تم سارے راز کھولنے بیٹھ گئے پہلے خود ہی ظاہر کر رہے تھے وہ بال انہوں نے اپنی مرضی سے کاٹے ہیں۔" شازیہ کچھ زیادہ ہی بھائی کے لیے حساس ہو گئی تھی رامین لاتعلق بنی جوگرز ہاتھ میں اٹھائے کمرے سے نکلنے لگی۔

"وہ مشورہ بھی تمہارے بھائی کو میں نے ہی دیا تھا ورنہ اس میں اتنی عقل کہاں۔" عمر صرف اسے چڑا رہا تھا اور وہ واقعی لڑنے مرنے پر اتر آئی صوفے کا کشن اٹھا کر اس نے عمر کو دے مارا، جسے جھکائی دیتے ہوئے وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"اب پتا نہیں میرے بغیر اس بے چارے کا وہاں کیا حال ہو گا۔ اخباروں میں آتا ہے نا۔ کوئی خوب صورت انگریز عورت اسے بے وقوف بنا کر اس کا پیسہ، پاسپورٹ اور ٹکٹ لے کر فرار ہو جائے گی اور وہ ہونقوں کی طرح کھڑا رہ جائے گا۔"

"ہر ایک کو اپنے جیسا مت سمجھا کرو میرا بھائی ایسا نہیں ہے کہ انگریز لڑکی کو دیکھتے ہی بے وقوف بن جائے۔" شازیہ بری طرح طیش میں آگئی۔

"وہ ایسا ہی ہے اور اس نے خود مجھ سے کہا ہے کہ میں وہاں جاتے ہی کسی انگریز لڑکی کے ساتھ ایک ہی فلیٹ میں رہنا شروع کر دوں گا رامین سے شادی تو میں

نے گھر والوں کو مطمئن کرنے کے لیے کی ہے۔" لیونگ روم کے باہر عمر کی شوخ آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ رامین کے کمرے کی طرف اٹھتے قدم ایک لمحے کے لیے تھم گئے' حالانکہ وہ جانتی تھی کہ عمر صرف شازیہ کو چڑا رہا ہے اور شازیہ حسب معمول چڑ کر اس پر سارے کشن اٹھا اٹھا کر مارنے لگی پتا نہیں ان کی لڑائی کتنی دیر چلتی۔ رامین نے کمرے میں آکر دروازہ بند کرلیا' تاکہ عمر کی مزید کوئی بات سنائی نہ دے۔

☼ ☼ ☼

انسان جس طرح کے ماحول میں رہتا ہے اسی کا عادی ہو جاتا ہے۔ شہروز کے جانے کے بعد کچھ ہفتوں تک ہر بات میں اس کا ذکر ہوتا رہا' پھر آہستہ آہستہ اس کا ذکر ہونا کم ہو گیا۔ اس میں کچھ دخل ان کی شعوری کوشش کا بھی تھا کیونکہ تائی امی اس کے ذکر پر آزردہ ہو جاتیں۔ شازیہ نے بھی ہر بات میں شہروز کا نام لینا چھوڑ دیا اس کا کوئی فون آجاتا تو اس کی خیریت معلوم ہو جاتی وقت ایسے ہی گزرتا رہا۔ رامین اور شازیہ میٹرک میں آگئیں اچانک دادا جان کو دل کا دورہ پڑا اور وہ ہاسپٹلائز ہو گئے۔ خطرہ ٹل گیا تھا اس لیے شہروز کو اطلاع نہیں دی گئی۔ اس کے سمسٹر چل رہے تھے اور اس کا کچھ ہفتوں بعد چھٹیوں میں گھر آنے کا ارادہ تھا اس لیے اسے پریشان کرنا مناسب نہیں لگا۔ دادا جان ہسپتال سے گھر آگئے' مگر ان کی صحت کافی گر گئی تھی۔ ان کے آفس نہ جانے سے وہ سب بہت خوش تھے دادا جان سے ان کی دوستی بہت زیادہ تھی کوئی نا کوئی ہر وقت ان کے پاس رہتا اور انہیں بور نہ ہونے دیتا۔ اب تو افشین اور عامر اور پھوپھی کے امان اور عائشہ بھی اتنے بڑے ہو گئے تھے کہ آرام سے ان کی دوا وغیرہ کا خیال رکھ سکتے تھے' البتہ صبح کا اخبار سنانے کی ذمہ داری رامین نے خود ہی اپنے سر لے لی تھی' حالانکہ دادا جان اخبار خود پڑھ سکتے تھے۔ اور اکثر وہ یہ بات کہہ بھی دیتے تھے کہ اسے انہیں اخبار پڑھ کر سنانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' لیکن رامین صرف اس خیال سے ان کے پاس آتی تھی کہ صبح کا یہ وقت گھر کی خواتین کے لیے بہت مصروف ہوتا تھا اور بچوں کو اٹھنے میں پہلے ہی اتنی دیر ہو جاتی تھی کہ اسکول کے لیے تیار ہونا مشکل ہو جاتا تھا' لہٰذا بس ایک وہی ایسی تھی جو اس وقت انہیں کمپنی دے سکتی تھی۔ اس روز بھی جب وہ اخبار لیے ان کے کمرے میں آئی تو وہ سلام کا جواب دے کر غور سے اس کی شکل دیکھنے لگے۔

"کیا بات ہے دادا جان طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" وہ ان کے غیر معمولی رویے پر گھبرا کر بستر پر ان کے سامنے بیٹھ گئی۔

"ہوں' ٹھیک ہوں۔" وہ اس کے پریشان ہونے پر مسکرا دیے اور وہ ان کے مسکرانے پر ایک دم مطمئن ہو گئی۔

"تمہیں میرے خاموش ہونے سے لگا کہ میں مر گیا۔" اس کے چہرے پر اطمینان پھیلتا دیکھ کر وہ محظوظ ہوتے ہوئے بولے۔

"میرے دادا جان کہتے ہیں کہ منہ سے ہمیشہ اچھی بات نکالنی چاہیے۔" رامین نے مصنوعی خفگی کے ساتھ جتانے والے انداز میں کہا۔

"تمہارے دادا جان بالکل سچ کہتے ہیں' ایک سچ یہ بھی ہے کہ موت کا وقت اٹل ہے وہ جب آتا ہے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا۔" دادا جان کا لہجہ بڑا عجیب سا تھا رامین ایک دم ان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولی۔

"آپ ایک کمرے میں پڑے پڑے گھبرا گئے ہیں' آئیں ہم تھوڑا لان میں ٹہل کر آتے ہیں۔"

"ایسی بات نہیں ہے بیٹے۔" وہ سنجیدگی سے اس کی شکل دیکھنے لگے۔

"بیماری سے کیا گھبرانا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے' اس پر صبر کرنا چاہیے اللہ تعالیٰ مجھے صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ میں تو تم لوگوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ خاص طور پر تمہارے بارے میں۔" دادا جان دھیمے لہجے میں بولے۔

"میرے بارے میں۔" رامین نے بھنویں اچکا کر حیرت کا اظہار کیا۔

"ہاں' تمہارے بارے میں ویسے تو تم بہت پیاری بہت اچھی اور بہت سمجھ دار بیٹی ہو۔"

"یہ ویسے تو۔ کا کیا مطلب ہے؟" رامین نے ناراضی بھرے انداز میں کہا۔

"بھئی مطلب یہ کہ یہ سب خوبیاں تو تم میں ہیں مگر جس طرح تم اسکول کے امتحان میں روتی ہو اور کھانا پینا چھوڑ دیتی ہو اسے دیکھ کر کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ تم ایک بہادر لڑکی ہو اور برے وقت میں سمجھ داری سے زیادہ بہادری کام آتی ہے۔ اگر انسان ہمت سے کام نہ لے تو ساری عقل مندی دھری کی دھری رہ جائے۔" اسے منہ پھلاتا دیکھ کر وہ وضاحت کرنے لگے۔

"دیکھو نا' جس وقت مجھے اٹیک ہوا اس وقت بجائے اس کے کہ تم ایمبولینس بلاتیں' یا اپنے تایا اور پاپا کو فون کرتیں' تم نے رونا شروع کر دیا اب رونے سے تو مسئلہ حل نہیں ہوتا' اگر حمید (ملازم) گھر پر نہ ہوتا تو تم لوگوں کو جانے مجھے ہاسپٹل لے جانے کا خیال کب آتا۔"

"آئی ایم سوری دادا جان اس وقت میں۔۔۔۔"

"میں یہ سب تمہیں شرمندہ کرنے کے لیے نہیں کہہ رہا' میں سمجھ سکتا ہوں تم سب اس وقت گھبرا گئے تھے اور یہی تو میں تمہیں سمجھا رہا ہوں کہ پریشانی کے وقت اپنی گھبراہٹ پر قابو رکھنا ہوتا ہے وہی تو بہادری ہے۔" وہ کچھ دیر دادا جان کی شکل دیکھتی رہ گئی پھر سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔

"اچھا اب یہ بھی بتا دیں آپ یہ ساری باتیں کیوں کر رہے ہیں۔"

"ارے بس' ایسے ہی۔" دادا جان نے ایک دم اپنا لہجہ سرسری بنا لیا۔

"نہیں کوئی بات تو ضرور ہے۔" رامین یقین سے بولی' مگر دادا جان کچھ اور پوچھنے لگے۔

"تمہارے تایا اور پاپا آفس چلے گئے۔"

"تایا ابو چلے گئے ہیں' مگر پاپا گھر پر ہی ہیں۔" بات رامین نے سرسری انداز میں ہی کہی تھی' مگر دادا جان کو لب بھینچتے دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔

"دادا جان آج کل پاپا اور تایا ابو آفس ساتھ کیوں نہیں جاتے۔" وہ بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

"وہ الگ الگ پروجیکٹ پر کام کر رہے ہیں' اس لیے الگ الگ جانا پڑتا ہے۔" دادا جان لاپروائی سے بولے پھر خود کلامی کے انداز میں کہنے لگے۔

"سوچتا ہوں' میں بھی آفس جانا شروع کر دوں۔"

"جی نہیں آپ کو ایسا سوچنا بھی منع ہے۔" رامین اپنی جون میں آتے ہوئے بولی۔

"سوچنا پڑتا ہے بیٹے۔ میں کچھ دن بیمار کیا پڑ گیا۔ سارا آفس درہم برہم ہونے لگا۔" دادا جان پیشانی رگڑتے ہوئے تھکی ہوئی آواز میں بولے۔

"بزنس میں کوئی پرابلم ہو رہی ہے کیا؟" رامین نے ہمدردی سے پوچھا۔

"بزنس میں پرابلم تو ایک عام بات ہے' اصل پرابلم تمہارے پاپا اور تایا کے بیچ ہو رہی ہے۔ پہلے سارے فیصلے میں کرتا تھا تو اختلاف نہیں ہوتا تھا اب کام وہ سنبھال رہے ہیں تو ہر فیصلے میں دو متضاد رائے ہو جاتی ہیں۔" رامین ان کی بات پر بولی۔

"لیکن وہ دونوں فیصلہ آپ سے پوچھے بغیر کیوں کرتے ہیں اور اگر ایسا کرنا ہی پڑتا ہے تو پاپا کو چاہیے وہ تایا ابو کی رائے کو ترجیح دیں' آخر وہ بڑے ہیں۔"

"اختلاف رائے بڑی عام بات ہے بیٹے' جہاں دو لوگ ہوں' وہاں ایسا ہو جاتا ہے۔ حیرت مجھے ان دونوں کی ہٹ دھرمی پر ہے جب میری زندگی میں ان کا یہ حال ہے تو پھر میرے بعد کیا ہو گا۔" دادا جان بڑبڑانے کے سے انداز میں کہہ رہے تھے۔ رامین خاموشی سے انہیں دیکھنے لگی۔ وہ بہت مضمحل لگ رہے تھے۔ کیا صورت حال بہت شدید نوعیت اختیار کر گئی ہے۔ وہ سوچے بغیر نہ رہ سکی۔ لیکن امی وغیرہ کے رویے سے تو کچھ ظاہر نہیں ہوتا۔ کیا وہ بھی بے خبر ہیں' یا دادا جان بیماری کی وجہ سے کمزور ہو گئے ہیں اور بلاوجہ پریشان ہو رہے ہیں۔

"شہروز کے سمسٹر کب ختم ہو رہے ہیں۔" دادا

...ن کے اچانک پوچھنے پر وہ چونک اٹھی اس نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں انہیں دیکھا۔

"تین سال ہو گئے اسے گئے ہوئے' ہر سال چھٹیوں میں وہ ایکسٹرا کلاسز اٹینڈ کرنے لگتا ہے' ایک بار بھی گھر نہیں آیا اس سال تو کم از کم اسے آنا چاہیے۔" دادا جان اپنے آپ سے باتیں کر رہے تھے اور رامین الجھن بھری نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اسے اچانک احساس ہوا تھا کہ پاپا اور تایا ابو کے بیچ ایک رشتہ اور بھی ہے۔ کیا دادا جان اس لیے اتنا پریشان ہیں؟۔

"میں تو پھر بھی پچھلے سال آسٹریلیا گیا تھا' حالانکہ میں ایک دن ہی رہا تھا پھر بھی ملاقات تو ہو گئی تھی۔ اس نے مجھے اپنے ہاتھ سے چائے بنا کر پلائی تھی اتنی ہنسی آئی تھی مجھے اس کے چائے بنانے پر۔ لیکن بہت اچھی چائے بنائی تھی اس نے کمرہ بھی بہت صاف رکھا ہوا تھا اور پڑھائی تو وہ ہمیشہ خوب دل لگا کر کرتا ہے۔ وہ بہت اچھا ہے نا؟" وہ سمجھ نہیں پائی کہ دادا جان اس سے پوچھ رہے ہیں یا اسے بتا رہے ہیں۔ وہ جیسے موضوع بدلنے کے لیے بولی۔

"امی ابھی تک آپ کا ناشتا لے کر نہیں آئیں۔"

"آجائے گا ناشتا۔ تمہاری امی مصروف ہوں گی تو تمہاری تائی یا پھوپھی لے آئیں گی۔ اللہ کا شکر ہے اس گھر میں کبھی کام کو لے کر جھگڑا نہیں ہوا۔ گھر کے سب لوگ رشتوں کو جوڑ کر رکھنے کے عادی ہیں' کوئی بھی انہیں بوجھ نہیں سمجھتا اور یہی بڑی بات ہے۔ رشتہ توڑ دینا تو بہت آسان ہے اصل بات تو انہیں نبھانا ہے ان کے تقدس کو سمجھنا اور ان کا احترام کرنا ہے جو لوگ پریشانیوں سے گھبرا کر رشتے توڑ دیتے ہیں۔ وہ ہمیشہ بھاگتے رہتے ہیں ان کی زندگی میں کبھی استحکام نہیں ہوتا۔"

رامین ششدر سی انہیں دیکھتی رہی' اسے صاف لگ رہا تھا جیسے امی وغیرہ کے بہانے انہوں نے اس پر کچھ اور باور کرانے کی کوشش کی ہے' ورنہ شہروز کا ذکر کرتے کرتے انہیں ایک دم رشتوں کے تقدس کا خیال کیوں آگیا۔ اسے ان کی باتوں سے گھبراہٹ ہونے لگی۔ وہ وہاں سے اٹھ کر بھاگ جانا چاہتی تھی اور تب ہی امی ناشتا لیے آگئیں۔

"پڑھ لیا پورا اخبار۔" رامین ایسے کھڑی ہو گئی' جیسے امی کے ٹرے رکھنے کے لیے جگہ خالی کر رہی ہو۔

"نہیں بھئی ہم نے منع کر دیا اب ہم اتنے بھی بیمار نہیں۔" انہیں باتوں میں مصروف ہوتا دیکھ کر وہ کمرے سے نکل گئی۔

"لگتا ہے پاپا اور تایا ابو کے بیچ کسی بات پر ناراضگی ہو گئی ہے۔" رامین اپنے کمرے میں فلور کشن پر بیٹھی مطالعے میں غرق تھی کہ افشین کے پرسوچ انداز میں کہے جملے پر چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"تم سے کس نے کہا؟"

"کسی کے کہنے کی ضرورت ہے مجھے لگ رہا ہے' جیسے ان کے بیچ بات چیت بالکل بند ہے۔" شازیہ کا ٹی وی پر کوئی پسندیدہ پروگرام شروع ہو گیا تھا اور اس کے کمرے سے جانے کے بعد ہی افشین نے یہ بات کہی تھی۔

"تمہیں وہم ہوا ہو گا۔" رامین نے نظریں واپس کتاب پر جما دیں یہ اور بات تھی کہ اس کا دھیان بالکل بھی کتاب پر نہیں تھا۔ ذہن میں دادا جان کی آج صبح کی کہی باتیں گھومنے لگی تھیں' مگر وہ نہیں چاہتی تھی اس بات کا چرچا بچوں کے درمیان ہو اسی لیے افشین کی بات پر سرسری انداز اپنا لیا۔

"مجھے کوئی وہم نہیں ہوا۔" افشین یقین سے بولی۔

"ہو سکتا ہے' بزنس میں کوئی پریشانی ہو۔" رامین نے اسے ٹالنا چاہا۔

"مجھے لگتا ہے بات کچھ اور ہے۔" افشین کو بدستور سنجیدہ دیکھ کر رامین تھوڑا زچ ہو کر بولی۔

"تمہیں کیا تکلیف ہے' بڑوں کا پرابلم ہے وہ خود سنبھال لیں گے۔" افشین نے پہلے تو گھور کر اسے دیکھا پھر دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر لڑنے والے انداز میں بولی۔

"ہم بڑوں سے الگ نہیں ہیں' ان کا پرابلم ہمارا پرابلم ہے۔" رامین اس کے انداز پر بے ساختہ ہنس پڑی۔

"گویا' آپ اتنی بڑی ہو گئی ہیں کہ آپ ان کے پرابلم حل کریں گی۔" رامین مذاق اڑانے والے انداز میں بولی۔

"اس میں بڑے اور چھوٹے کی کیا بات ہے' کیا آپ کو نہیں لگتا ان کے بیچ ایک سرد جنگ چل رہی ہے ایک محسوس کیے جانے والا کھنچاؤ ہے جو۔"

"اتنی ثقیل اردو!" رامین نے ہنستے ہوئے حیرت سے کہا۔ اپنی بات کا یہ رد عمل دیکھ کر وہ منہ پھلا کر اسے گھورنے لگی۔

"میں اچھی طرح جانتی ہوں' آپ کا کیا مسئلہ ہے۔"

"ہیں... یعنی میرا بھی ایک عدد مسئلہ ہے؟ جس کا علم خود مجھے نہیں ہے مگر آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔" رامین کے شوخ انداز پر وہ سنجیدگی سے بولی۔

"آپ بڑے بھائی بہن یہ سمجھتے ہیں کہ آپ سے چھوٹوں کے پاس عقل نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں' آپ اندازہ نہیں لگا سکیں ان کے جھگڑے کے متعلق۔ لیکن میں نے محسوس کر لیا اور یہی بات آپ سے ہضم نہیں ہو رہی' حالانکہ یہ ایسی کوئی انہونی بات نہیں ہے' بعض اوقات چھوٹے بڑوں سے زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں۔" اس کے آخری جملے پر ایک بار پھر رامین کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"بس کریں آپی' پھیپھڑے باہر آجائیں گے۔" افشین بری طرح چڑ گئی۔

"میں تمہارا مذاق نہیں اڑا رہی' مجھے بس حیرت ہو رہی ہے۔" رامین آنکھوں سے نکل آنے والے پانی کو ہتھیلی کی پشت سے پونچھتے ہوئے اسے پچکارنے والے انداز میں بولی۔

"تم کیوں دماغ پر زور دے رہی ہو' یہ سب تمہارے سوچنے کی باتیں نہیں ہیں' تم ابھی بچی ہو۔"

"دیکھا دیکھا۔ پھر وہی بات۔ تم ابھی بچی ہو۔ آپ بڑے اپنے سے چھوٹوں کو ہمیشہ بچہ ہی سمجھتے رہتے ہیں' حالانکہ میری عمر میں آپ کا شہروز بھائی سے نکاح بھی ہو گیا تھا آپ کو تو کسی نے نہیں کہا کہ تم بچی ہو۔" افشین اپنی بات کہہ کر ناراضگی کے طور پر اپنے اسکول بیگ میں سے کچھ ڈھونڈنے لگی۔ رامین ہنسنا بھول کر چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ اس نے ٹھیک کہا تھا وہ اس سے صرف تین سال چھوٹی تھی مگر اسے وہ اپنے سامنے ہمیشہ بچی ہی لگتی تھی۔ شہروز اور اس کے درمیان بھی اتنا ہی فرق تھا۔

"رامین تو بچی ہے۔" بے اختیار اسے شہروز کا بہت پہلے کا کہا جملہ یاد آگیا۔ پہلی بار اسے شہروز کا رد عمل بالکل صحیح لگا شہروز ان تمام کزنز میں سب سے بڑا تھا عمر بھی اس سے چھ ماہ چھوٹا تھا۔ بچپن سے شہروز ان سب کو خود سے چھوٹا بالکل بچوں جیسے سمجھتا آیا ہو گا' اس لیے دادا جان کی بات کو وقتی طور پر اسے قبول کرنا عجیب لگا ہو گا۔

"آپ کیا سوچنے لگیں؟" افشین ناراضگی کا ڈرامہ زیادہ دیر نہ کر سکی۔

"اب تمہیں کیا بتاؤں' تم تو ابھی بچی ہو۔" حسب توقع وہ رامین کی بات پر خاک ہو کر واک آؤٹ کر گئی۔ رامین اس کے جانے کے بعد دیر تک مسکراتی رہی۔ افشین کی ایک معمولی سی بات نے جیسے کوئی معمہ حل کر دیا تھا اس لیے تین سال میں پہلی بار اس کے دل میں شہروز سے ملنے کی خواہش پیدا ہوئی تھی پتا نہیں اس کے سوچنے کا انداز بدلا ہو گا یا نہیں' پتا نہیں وہ کیسا لگتا ہو گا وہ لاشعوری طور پر اس کے سمسٹر ختم ہونے کا انتظار کرنے لگی مگر اسے نہیں پتا تھا کہ اس کے سمسٹر ختم ہونے سے پہلے ہی ایک ایسا سانحہ ہو جائے گا' جس سے گھر کی بنیادیں تک ہل جائیں گی۔

صبح کا اخبار لے کر جب وہ دادا جان کے کمرے میں داخل ہوئی تو انہیں بستر پر سوتا دیکھ کر اسے شدید حیرانی ہوئی۔ وہ کبھی فجر کی نماز نہیں چھوڑتے تھے پھر آج ان کی آنکھ کیسے نہیں کھلی۔ اس نے آگے بڑھ کر انہیں دو چار آوازیں دیں' مگر ان کے وجود میں جنبش تک نہ

ہوئی' اچانک ہی اسے کسی غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔ اس کا دھیان کھڑکی پر پھیلے پردوں کی طرف گیا دادا جان صبح اٹھتے ہی کھڑکی کے پردے کھول دیا کرتے تھے۔ آج ان کے کمرے میں پھیلی تاریکی بہت پراسرار لگ رہی تھی۔ رامین نے ڈرتے ڈرتے ان کا ہاتھ ہلایا۔ ان کا ہاتھ برف کی سل کی طرح ٹھنڈا یخ ہو رہا تھا اس نے جیسے خوفزدہ ہو کر اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا اور تیزی سے دوڑتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

"امی! امی! امی!" اس کے دیوانہ وار چلانے پر امی سمیت تائی امی اور پھوپھی گھبرا کر کچن سے بھاگی چلی آئیں۔

"امی امی' دادا جان کو کچھ ہو گیا ہے' دادا جان کو کچھ ہو گیا ہے۔" اس پر ایک ہذیانی کیفیت طاری تھی۔ گھر میں ایک دم کہرام مچ گیا۔ امی اور پھوپھی ایک ساتھ دادا جان کے کمرے کی طرف بڑھیں' بلکہ اس کی غیر ہوتی حالت دیکھ کر تائی امی کے بھی ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ وہ آگے بڑھ کر اسے سنبھالنے لگیں۔ یقیناً" اسے دھچکا لگا تھا۔ اسے ہی کیا گھر کے تمام بچوں کے لیے یہ ایک المیہ تھا۔ وہ سب اپنے ماں باپ سے زیادہ اپنے دادا جان کے قریب تھے۔ ان میں بھی رامین ان سے سب سے زیادہ مانوس تھی۔ اس کے لیے صورت حال ناقابل برداشت تھی۔ دادا جان کا سوتے میں ہی ہارٹ فیل ہو گیا تھا' بظاہر ان کی طبیعت سنبھل گئی تھی' مگر موت کو طبیعت سے کیا سروکار۔ اسے جس وقت آنا ہوتا ہے' اس وقت انسان چاہے کتنا ہی صحت مند ہو اسے دنیا سے جانا ہی پڑتا ہے۔ دادا جان کی موت سے پورے گھر میں ایک سوگواری چھا گئی تھی۔ شازیہ نے بتایا۔

"شہروز بھائی کو دادا جان کے انتقال کی خبر ہو گئی ہے اور انہوں نے غصے میں اپنے آنے کا ارادہ کینسل کر دیا ہے۔" تو رامین کو زیادہ تشویش نہ ہوئی۔ ایک طرح سے اسے شہروز کا ردعمل بالکل درست لگا۔ دادا جان کے انتقال کے نو دن بعد اس کے سمسٹر ختم ہوئے تھے اور جب نو دن بعد اس نے خوشی خوشی اپنے آنے کی اطلاع دی' تب تایا ابو نے بتایا کہ دادا جان کی تدفین تک ہو چکی ہے۔ یہ سب سن کر اسے حیرت اور صدمے کی ملی جلی کیفیت میں ایسا ہی کوئی فیصلہ سنانا تھا۔

"اتنا کچھ ہو گیا اور کسی نے مجھے اطلاع نہیں دی' میں ملک سے باہر تھا کوئی دنیا سے باہر نہیں تھا۔"

"بیٹے تمہارے امتحان ....." تایا ابو اس کی آواز میں گھلی آنسوؤں کی نمی محسوس کر کے رسانیت سے کہنے لگے۔ اس نے درمیان میں ہی ان کی بات کاٹ دی۔

"امتحان میں بعد میں بھی دے سکتا تھا' تھوڑا وقت ہی ضائع ہوتا نا کم از کم ایک بار دادا جان کو دیکھ تو لیتا۔ آخری بار میری ان سے بات ہوئی تھی تب بھی وہ بار بار پوچھ رہے تھے ہم کب آؤ گے۔ بہت دل چاہ رہا ہے تم سے ملنے کا۔ کتنے دن ہو گئے تمہیں دیکھے ہوئے۔ وہ' وہ اس وقت بھی بہت بیمار ہوں گے تب ہی۔" اس سے بات پوری کرنا مشکل ہو گئی تھی۔

"شہروز خود کو سنبھالو۔ میں نے تمہیں یہ سب اس لیے نہیں بتایا کہ تم پردیس میں اکیلے اتنا بڑا دکھ برداشت کرو بلکہ یہ میں نے اس لیے کہا ہے کہ جب تم یہاں پہنچو تو تمہیں ایک دم دادا جان کو نہ پا کر دھچکا نہ لگے۔"

"دھچکا بہت چھوٹا لفظ ہے' میرے احساسات کو بیان کرنے کے لیے۔ میں کب سے امتحان ختم ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ سب سے زیادہ مجھے دادا جان سے ہی ملنے کی خواہش تھی اب جب وہ نہیں ہیں تو میں کیا کروں گا آکر۔ میں آپ سب میں سے کسی سے ملنا نہیں چاہتا' کسی سے بات بھی نہیں کروں گا آئندہ۔" شہروز نے تایا ابو کو بولنے کا موقع دیے بغیر فون بند کر دیا انہیں پتا تھا یہ صرف وقتی ابال ہے کچھ دن میں ٹھیک ہو جائے گا شازیہ نے جب رامین کو بتایا تو اس نے بھی یہی کہا۔

"دیکھ لینا چھٹیاں ختم ہونے سے پہلے پہلے وہ آجائیں گے۔" اس نے شازیہ کو تسلی دی۔ خود اسے بھی گہرے ملال نے گھیر لیا تھا۔ کتنا انتظار تھا دادا جان کو

اس کے آنے کا۔

✲ ✲ ✲

وہ سب ابھی اس غم سے نکلے بھی نہیں تھے کہ گھر میں ایک نیا طوفان کھڑا ہو گیا۔ اصل ماجرا کیا تھا اسے کچھ خبر نہیں تھی۔ اس دن پاپا اور تایا ابو کو آفس سے آنے میں بہت دیر ہو گئی تھی پھر تایا ابو تو گھر نہیں آئے۔ جب پاپا نے گھر میں قدم رکھا تو ان کے چہرے پر پھیلا جلال دیکھ کر امی بھی سہم گئیں۔

"تم سب اپنا سامان باندھ لو اب ہم اس گھر میں ایک منٹ بھی نہیں رہیں گے۔" وہ سب اپنی جگہ ہکا بکا رہ گئے۔ امی میں ہمت نہیں تھی' پاپا سے کچھ پوچھنے کی تو بھلا وہ بہن بھائی کیا بولتے مگر جب تائی امی اور پھوپھی کو خبر ہوئی تو وہ دوڑی چلی آئیں۔

"عابد! کیا ہوا؟ کچھ بتاؤ تو سہی۔" تائی امی کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"بھابھی! میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں آپ مہربانی فرما کر اس معاملے سے الگ رہیں' میں آپ کی شان میں کوئی گستاخی نہیں کرنا چاہتا۔" پاپا کی آواز غصے سے کانپ رہی تھی' ان کی آنکھیں اتنی سرخ ہو رہی تھیں کہ امی بغیر کچھ پوچھے اپنا سامان پیک کرتی رہیں۔

"زبیدہ بھابھی یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟ ارے آخر پتا تو چلے ہوا کیا ہے۔" پھوپھی حیران پریشان سی آگے بڑھیں۔

"باجی آپ بیچ میں نہ آئیں' اگر آپ چاہیں تو ہمارے ساتھ چل سکتی ہیں' لیکن ہم یہاں کسی قیمت پر نہیں رکیں گے۔" پاپا کے لہجے میں چٹانوں کی سی سختی تھی۔ پھوپھی کی آنکھیں برسنے لگیں۔ دادا جان کے انتقال کو دو ہفتے بھی نہیں ہوئے تھے اور حالات یہ رخ اختیار کر گئے۔

"بھائی صاحب سے کہہ دیجیے گا' وہ سارا کاروبار اپنے پاس رکھیں' مجھے ایک پائی بھی نہیں چاہیے۔" پاپا نے گھر سے نکلتے وقت کہا ان سب نے آناً "فاناً" جو سامان سمجھ میں آیا سوٹ کیس میں بھر لیا تھا' پھر بھی ضرورت کی چیزیں رہ گئیں' لیکن لاشعور میں کہیں یہ یقین بھی موجود تھا کون سا ہمیشہ کے لیے جا رہے ہیں جلد واپس آجائیں گے اسی لیے دو گھنٹے بعد جب وہ پاپا کے ایک دوست کے گھر پہنچے تو بالکل مہمانوں کی طرح ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے۔

انکل کے بیوی بچے خاندان کی کسی شادی میں شرکت کرنے دوسرے شہر گئے تھے صرف انکل گھر پر موجود تھے' جو انہیں گھر میں بیٹھا چھوڑ کر پاپا کے ساتھ ہی کہیں باہر چلے گئے۔

"امی یہ سب کیا ہے' پاپا کچھ بتاتے کیوں نہیں؟" افشین تنہائی ملتے ہی امی کے سر ہو گئی۔

"بتا دیں گے افشین۔ تھوڑا صبر سے کام لو۔" امی کے چہرے پر تفکرات کا ایک جال پھیلا تھا مگر وہ اسے تسلی دینے کے لیے رسانیت سے بولیں مگر افشین ایک کے بعد ایک سوال کیے جا رہی تھی۔ رامین چپ چاپ بیٹھی ان کے تاثرات دیکھتی رہی۔ اسے معلوم تھا اس وقت ان سے کچھ بھی پوچھنا انہیں اذیت دینے کے سوا' اور کچھ نہیں۔ ایک تو وہ خود اصل صورت حال سے لاعلم تھیں اور اگر انہیں علم ہو بھی تو بھی وہ ہمیشہ کی طرح بچوں کو اس معاملے سے دور ہی رکھیں گی۔ وہ متجسس ہونے کے باوجود خاموش بیٹھی رہی۔ وہ دن انہیں زندگی کا سب سے طویل دن لگا تھا۔ کسی دوسرے کے گھر میں رہنے کا کوئی تجربہ نہیں تھا' ہر چیز میں ایک اجنبیت کا احساس سمایا ہوا تھا۔

رات کو وہ سونے لیٹی تو اپنا بستر نہ ہونے کی وجہ سے اسے نیند ہی نہ آئی افشین اور عامر جب تک جاگتے رہے تب تک تو ٹھیک تھا لیکن ان کے سو جانے کے بعد اسے اتنی وحشت ہوئی کہ وہ اٹھ کر کمرے سے باہر آگئی اسے یقین تھا امی بھی جاگ رہی ہوں گی اس لیے وہ ان کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ دروازے کے باہر ہی اس کے قدم رک گئے کیونکہ صرف امی ہی نہیں جاگ رہی تھیں بلکہ پاپا کی آنکھوں سے بھی نیند کوسوں دور تھی۔ گہرے سناٹے میں ان کی آنسوؤں میں گھلی مدھم آواز صاف سنائی دی۔

"بھائی صاحب نے یہاں تک کہہ دیا اگر میں ابھی بھی پیسے واپس کردوں تو ٹھیک ورنہ وہ پولیس کو بلالیں گے۔"

"پولیس!" امی کی آواز سے ان کے گہرے صدمے کا بخوبی اندازہ ہو رہا تھا۔

"ہاں پولیس میں نے کہہ دیا ان سے اگر آپ کو لگتا ہے کہ میں اپنے ہی کاروبار میں چوری کرسکتا ہوں تو آپ بھلے ہی پولیس کو بلالیں۔ میرا ضمیر مطمئن ہے مجھے کسی کا ڈر نہیں۔ زبیدہ تم یقین نہیں کرسکتیں بھائی صاحب نے میرے لیے کیسے کیسے الفاظ استعمال کیے ہیں وہ کہہ رہے تھے مجھے خاندان کی عزت کی پروا نہیں ہے میں دنیا کے سامنے اپنے گھر کا تماشا بنانا چاہتا ہوں۔ انہوں نے دھمکی دی کہ میں ایک دن کے اندر اندر ساری رقم ان کی ٹیبل پر لاکر رکھ دوں تو ان کا وعدہ ہے کہ وہ اس معاملے کو یہی ختم کردیں گے۔ انہوں نے بغیر کسی تصدیق کے مان لیا ہے کہ پیسے میرے ہی پاس ہیں۔ پورا ڈرامہ رچا کر میں نے اکاؤنٹ سے اتنی بڑی رقم نکال لی۔ سارے اسٹاف کے سامنے انہوں نے یہ سب کہا۔ بے عزتی کے احساس نے میرے سوچنے کی صلاحیت سلب کرلی۔ میں ان سے یہ کہہ کر آگیا کہ مجھے آپ کو کوئی صفائی نہیں دینی۔ مجھے اس دولت' جائیداد میں سے کچھ نہیں چاہیے میں اب اس گھر میں بھی نہیں رہوں گا یہ بھی آپ کو مبارک ہو۔ غصے میں' میں تم لوگوں کو بھی ایک کانٹوں بھرے راستے پر گھسیٹ لایا' مگر مجھے کوئی پچھتاوا نہیں انشاء اللہ! میں تمہیں عزت کی روٹی ضرور دوں گا بس کچھ دن اس گھر میں رہ لو۔" امی نے پاپا کی بات کے جواب میں انہیں ڈھیروں تسلیاں دینی شروع کردی تھیں۔ رامین ششدر سی اپنی جگہ کھڑی تھی۔ پاپا کی آواز سے صاف لگ رہا تھا کہ وہ رو رہے ہیں۔ اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ اس کے پاپا جیسا مضبوط اور بہادر انسان اس طرح ٹوٹ سکتا ہے۔ چوری کے الزام نے' وہ بھی سگے بھائی کے لگائے الزام نے ان کی عزت نفس کو بری طرح ٹھیس پہنچائی تھی۔ ان کا بزنس اور گھر کو ٹھوکر مار کر آجانے کا فیصلہ اسے بالکل صحیح لگ رہا تھا' پہلی بار اس کا دل تایا ابو کی طرف سے میلا ہوا تھا وہ خود بھی اس گھر میں قدم نہیں رکھنا چاہ رہی تھی اور اگلے کچھ دنوں میں اسے اندازہ ہوگیا کہ شاید اب کبھی اس گھر میں دوبارہ جانے کی نوبت آئے گی بھی نہیں۔ کیونکہ پاپا نے قطر جانے کی ساری تیاریاں کرلی تھیں اور ان چاروں کو وقتی طور پر لاہور میں نانی کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ دادا جان کا بزنس مختلف ممالک میں پھیلا ہوا تھا اس لیے پاپا اور تایا ابو کو اکثر پاکستان سے باہر جانا پڑتا تھا۔ ان کے دوسرے ممالک میں دوست بھی بہت تھے اور وہاں بزنس کرنے کے قاعدے قانون سے بھی واقف تھے۔ پاپا نے جانے کے دو مہینے بعد ہی ان سب کو بھی قطر بلوا لیا۔ جب تک وہ سب پاکستان میں تھے انہیں امید بھی تھی کہ شاید تایا ابو یا گھر کا کوئی فرد ان سے ملنے آجائے مگر پاکستان چھوڑنے کے بعد یہ امید بھی ختم ہوگئی۔

جب انہوں نے دادا جان کا وہ گھر چھوڑا تھا تو اس کے پانچ دن بعد ہی وہ لاہور چلے گئے تھے اور ان پانچ دنوں میں سے بھی وہ صرف آخر کے دو دن اسکول گئی تھی' جس کی وجہ سے اسے شازیہ سے بات کرنے کا موقع مل گیا تھا اس نے شازیہ کو بتادیا تھا کہ وہ اپنی نانی کے گھر جارہی ہے لیکن پاپا کو کسی کا احسان لینا پسند نہیں اس لیے وہ نانی کے گھر سے جلد ہی ـــــ کہیں اور شفٹ ہوجائیں گے۔ اس وقت نہیں پتا تھا کہ انہیں اپنا وطن چھوڑنا پڑے گا' ورنہ وہ اسے یہ بھی بتادیتی شازیہ تو اس کا دوسرے شہر چلے جانے کا سن کر ہی پریشان ہوگئی۔

"لاہور میں تو ہمارا کوئی رشتے دار نہیں ہے کہ اس سے ملنے کے بہانے ہم تم لوگوں سے ملنے آجائیں۔"

"میرے خیال سے جو کچھ پاپا اور تایا ابو کے بیچ ہوا ہے اس کے بعد ہمارا دور چلے جانا ہی ٹھیک ہے۔" رامین پرسوچ انداز میں بولی۔

"گھر میں تو کسی کو پتا ہی نہیں کہ ان کے بیچ ہوا کیا ہے' امی پوچھ پوچھ کر تھک گئیں' لیکن ڈیڈی کچھ بتاتے ہی نہیں سچ پوچھو تو مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے اگر صورت حال یہی رہی تو حالات بہت بگڑ جائیں گے۔

پھوپھی نے چچا جان سے ملنے کی کوشش بھی کی مگر ادھر چچا جان نے بھی ایک ہی رٹ لگا رکھی ہے اب اس گھر میں قدم نہیں رکھوں گا۔" رامین کا دل چاہا کہ اسے بتا دے کہ تایا ابو نے ان پر چوری کا الزام لگایا ہے لہٰذا پاپا کا ردعمل بالکل جائز ہے مگر وہ یہ بات کہہ نہ سکی امی پاپا نے گھر میں ان تینوں سے ایسا کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا اب اگر وہ یہ سب شازیہ کو بتاتی تو شازیہ پھوپھی اور تائی امی سے ساری بات کہہ دیتی اور وہاں ان کو یہ سب سن کر ایسا ہی لگتا کہ اس کے والدین ان کے خلاف بچوں کے کان بھر رہے ہیں۔

"کیا تم ایک ہفتے بعد اپنی نانی کے گھر نہیں جا سکتیں۔" شازیہ اسے خاموش دیکھ کر رو دینے والے انداز میں بولی۔

"کیا فرق پڑتا ہے دو دن ہوں یا ایک ہفتہ۔" رامین سپاٹ لہجے میں بولی۔

"ایک ہفتہ بعد شہروز بھائی آرہے ہیں۔" رامین نے چونک کر شازیہ کو دیکھا ان ساری پریشانیوں میں وہ تو جیسے بھول ہی گئی تھی کہ تایا ابو کے گھرانے سے ایک رشتہ اور بھی جڑا ہوا ہے۔

"شہروز بھائی نے ابھی گھر میں کسی سے ذکر نہیں کیا ہے وہ کہہ رہے تھے میں پاپا سے سخت ناراض ہوں لہٰذا انہیں کچھ نہ بتایا جائے غصہ تو مجھے تم سب پر بھی ہے مگر مجھے پتا ہے تم سب اس وقت پہلے ہی بہت اپ سیٹ ہو اس لیے میں نے اپنی خفگی کسی اور وقت کے لیے رکھ چھوڑی ہے۔ وہ سب کو سرپرائز دینا چاہتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا نہیں' یہاں آپ کے لیے اس سے بھی بڑا سرپرائز موجود ہے۔" شازیہ کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ رامین چپ چاپ اس کی شکل دیکھتی رہی۔

"کیا تمہارا دل نہیں چاہتا شہروز بھائی سے ملنے کا۔ تین سال ہوگئے ہیں بھائی کو گئے ہوئے۔" شازیہ روہانسی ہوگئی۔

"تم اتنی مایوسی کی باتیں کیوں کررہی ہو۔ پاپا اور تایا ابو کے بیچ صلح ہوجائے گی۔" رامین اس کے سوال کو ٹالتے ہوئے اس کا ہاتھ دبا کر بولی۔

"مایوسی کی باتیں نہ کروں تو کیا کروں۔ ڈیڈی اتنے اداس ہیں انہوں نے کھانا پینا بھی چھوڑ دیا ہے' کسی سے بات بھی نہیں کرتے۔ سارا وقت آفس میں مصروف رہتے ہیں۔ شاید اس لیے کہ بزنس کا سارا بوجھ ان پر آگیا ہے۔ رامین! اگر اس وقت کسی نے ان کے بیچ صلح نہ کرائی تو یہ سرد جنگ قطع تعلق کی صورت اختیار کرجائے گی اور تم لاہور جارہی ہو' اتنی دور چلے جانے پر ہمارا آپس میں کوئی رابطہ ہی نہیں رہے گا۔" شازیہ جذباتی ہو رہی تھی۔ رامین کے ضبط کرتے کرتے بھی آنسو چھلک پڑے۔

"سب ٹھیک ہوجائے گا یار' میں نے یہ سب اس لیے نہیں بتایا کہ تم مجھے بھی رلا دو۔ چلو اٹھو بس بھر گئی ہوگی' تمہیں بیٹھنے کی جگہ بھی نہیں ملے گی۔"

"کیا مطلب؟ تم بس میں نہیں جاؤ گی؟" شازیہ چونکی۔

"نہیں مجھے اور افشین کو پاپا لینے آئیں گے' مجھے انکل کے گھر کا ایڈریس پتا نہیں۔"

"ٹھیک ہے' پھر میں بھی چچا جان کا انتظار کرتی ہوں۔ مجھے ان سے بہت کچھ پوچھنا ہے۔" شازیہ آنسو پونچھتی عزم سے بولی۔

"فضول باتیں مت کرو امی' تائی امی اور پھوپھی سب پاپا اور تایا ابو کے غصہ ٹھنڈا ہونے کا انتظار کر رہے ہیں پھر تم کیوں توپوں کا رخ اپنی طرف کرنا چاہتی ہو۔" رامین ڈپٹ کر بولی۔

"ان کا رویّہ دیکھ کر لگتا تو نہیں کہ ان کا غصہ بھی ٹھنڈا ہوگا۔" شازیہ کے اداسی سے کہنے پر رامین ایک لمحے کے لیے لاجواب سی ہوگئی' پھر سنبھل کر کہنے لگی۔

"تمہارے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اب تم جاؤ' میں بھی جارہی ہوں' ہو سکتا ہے پاپا ہمیں لینے آ گئے ہوں۔" رامین کندھے پر بیگ ڈال کر کھڑی ہو گئی۔ وہ صرف شازیہ کی باتوں سے فرار ہو رہی تھی' ورنہ وہ جانتی تھی پاپا کو آنے میں ابھی بہت ٹائم لگے گا۔ وہ شازیہ کو جھوٹی تسلیاں نہیں دینا چاہتی تھی کیونکہ خود

اسے امید نہیں تھی کہ ان کے بیچ کبھی صلح ہو گی۔

"ایسا لگ رہا ہے نا جیسے ہمارے بیچ سارے رشتے ختم ہو گئے۔" اسے زبردستی بس میں بٹھا کر جب وہ اترنے لگی تو شازیہ کہے بغیر نہ رہ سکی۔ رامین کچھ لمحے اسے دیکھتی رہی، پھر افشین کے ساتھ اسکول کے گیٹ سے باہر نکل آئی۔ وہ شازیہ پر یہی ظاہر کر رہی تھی کہ پاپا انہیں لینے آ گئے ہوں گے۔ وہ دونوں اسکول سے تھوڑے فاصلے پر بنی عمارت کی دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئیں۔

"آپ نے شازیہ باجی کو کیوں بتایا کہ ہم لاہور جا رہے ہیں۔ ہم کوئی ہمیشہ کے لیے تھوڑی جا رہے ہیں، جلد ہی آ جائیں گے اور پھر پہلے کی طرح ساتھ رہیں گے۔" افشین کا موڈ کافی خوشگوار تھا۔ اسکول سے غیر متوقع چھٹیاں جو مل گئی تھیں مگر رامین جانتی تھی کہ جب پاپا صبح انہیں اسکول چھوڑنے آئے تھے تو وہ پرنسپل سے بھی ملنے گئے تھے انہوں نے بتایا تو نہیں تھا، لیکن وہ ضرور ان کے سرٹیفکیٹ لینے آئے ہوں گے۔ افشین جسے وقتی چھٹیاں سمجھ کر خوش ہو رہی تھی وہ ان کے اسکول کا آخری دن تھا۔ وہ بے اختیار اسکول کی عمارت کو دیکھنے لگی۔ بچپن سے وہ اسی اسکول میں پڑھ رہی تھی، کتنی یادیں وابستہ تھیں اسکول کے ساتھ۔ اسے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وہ کبھی اپنے اسکول کو اس طرح چھوڑے گی۔ اسے وہ لمحہ یاد آنے لگا جب وہ اور شازیہ پہلی بار اسکول آئے تھے تایا ابو جب انہیں چھوڑ کر جانے لگے تب اس گیٹ کے پاس وہ دونوں بری طرح رونے لگی تھیں۔ نرسری میں وہ جہاں جاتی تھیں، اس کے مقابلے میں اس اسکول کی عمارت بہت بڑی اور خطرناک لگ رہی تھی۔ اگلے کئی دنوں تک وہ دونوں ایسے ہی روتے روتے اسکول جاتی رہی تھیں، پھر سب سے پہلے ان دونوں کی دوستی ثمرین نامی ایک لڑکی سے ہوئی تھی اور پھر جیسے دوستوں کا ایک سلسلہ چل نکلا تھا جن میں سے کتنی ہی لڑکیاں دوران تعلیم ہی اسکول چھوڑ گئی تھیں جانے ان کی کیا مجبوری رہی ہو گی۔ کلاس ففتھ میں پڑھنے والی عالیہ جب اسکول چھوڑ کر گئی تھی، تب وہ سب اسے اسکول کے باہر ٹھیلے پر چاٹ کھلانے لائی تھیں اور تب اس نے ایک چاک نکال کر دیوار پر لکھا تھا۔

"مجھے بھولنا نہیں!"

رامین بے ساختہ پلٹ کر اس عمارت کی طرف دیکھنے لگی۔ یہ ایک فیکٹری کے پچھلے حصے کی دیوار تھی۔ جس پر مدتوں سے پینٹ نہیں ہوا تھا۔ عالیہ کے وہ الفاظ اب بھی وہاں موجود تھے صرف وہی نہیں وہاں جانے لوگوں نے کیا کیا نشان لگا رکھے تھے۔ کسی نے اس عمارت کے پرانے پینٹ پر طنز کے طور پر اسے بھوت بنگلے سے تعبیر کیا تھا اور کسی نے نشانی کے طور پر ایک انسانی کھوپڑی پر دو ہڈیوں سے کراس کا نشان بنا کر خطرے کا مخصوص نشان بنا دیا تھا بالکل غیر ارادی طور پر رامین نے اپنا مارکر نکال لیا اور دیوار پر کچھ لکھنے لگی افشین جو اس کی سوچوں سے بے خبر اپنی ہی دھن میں بولے جا رہی تھی ٹھٹک کر اس کا لکھا پڑھنے لگی۔

"ٹوٹ سکتے ہیں بس ایک لمحے میں رشتے سارے۔"

افشین نے جیسے حیران ہو کر رامین کو دیکھا کئی سوال اس کے ذہن میں ایک ساتھ ابھرے تھے مگر رامین کے چہرے پر پھیلے تاثرات دیکھ کر بظاہر سرسری انداز میں کہنے لگی۔

"شعر تو اچھا ہے مگر دوسرا مصرعہ تو لکھیں۔" رامین اس کی آواز پر جیسے نیند سے جاگ اٹھی۔ اسے خود اب پتا چلا تھا کہ اس نے کیا لکھا ہے وہ شعر کا دوسرا مصرعہ دہرانے لگی، مگر اسے بالکل یاد نہیں آ رہا تھا کہ یہ شعر اس نے کب اور کہاں پڑھا تھا تب ہی پاپا کے آ جانے پر وہ اسکول پر آخری الوداعی نظر ڈالتی ان کی طرف بڑھ گئی۔

"امی! کیا ہم کچھ دن اور یہاں نہیں رک سکتے۔" رامین کے لہجے میں جھجک خود بخود سمٹ آئی تھی۔ امی نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ ایئرپورٹ جانے کے لیے نکل رہے تھے۔

"بیٹے ہم ہمیشہ نانی کے گھر نہیں رہیں گے، تمہارے پاپا کوئی نہ کوئی انتظام کر لیں گے اور پھر یہ گھر بھی تو ہمارا اپنا نہیں ہے ہم یہاں کب تک رہ سکتے ہیں۔" امی سمجھ رہی تھیں اسے نانی کے گھر لامحدود مدت کے لیے جا کر رہنا اچھا نہیں لگ رہا وہ خاموشی سے ہونٹ کاٹنے لگی۔ اب بھلا وہ انہیں کیا سمجھاتی۔ خود ہی کو سمجھانے لگی۔

"شہروز اگر آ بھی گیا تو کون سا وہ ان سب سے ملنے آئے گا، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ وہ شازیہ کو اسکول چھوڑنے آ جائے اب تو اسے قانونی طور پر ڈرائیونگ لائسنس مل گیا ہو گا۔ اگر اسے خیال نہ بھی آیا تو شازیہ خود ضد کر کے اسے اسکول چلنے کے لیے ضرور کہے گی، لیکن ضروری نہیں وہ اس کے کہنے سے آ ہی جائے۔ ہو سکتا ہے، ان تین سالوں میں اس کی وہ سوچ مزید گہری ہو گئی ہو۔ "ابھی کر لیتا ہوں بعد میں چھوڑ دوں گا۔" اچھا ہی ہے ہم چلے جائیں کم از کم بھرم تو رہ جائے گا۔" ایک کے بعد ایک سوچ نے جیسے اس کا ذہن شل کر دیا۔ وہ مضمحل انداز میں کار میں آ بیٹھی۔

☼ ☼ ☼

نانی کے گھر وقتی طور پر اس کی طبیعت بہل گئی، وہاں اس کی ہم عمر کزنز تھیں، جن کے ساتھ شروع کے کچھ دن تو اچھے گزر گئے۔ باقی کے دن اس کی خوددار طبیعت پر گراں گزرنے لگے، بے شک پاپا، نانا جان کے ہزار منع کرنے کے باوجود ان کا خرچ نانا جان کو زبردستی تھما دیتے پھر بھی گھر کی چیزیں استعمال کرتے وقت اسے ایک عجیب سی شرمندگی اپنے حصار میں لے لیتی۔ افشین اور عامر اس طرح نہیں سوچتے تھے مگر وہ بھی بہت جلد بور ہو گئے، کیونکہ ان سب کا کسی اسکول میں ایڈمیشن نہیں ہوا تھا کیونکہ ان کا ارادہ ہمیشہ یہاں رہنے کا نہیں تھا بغیر کسی مصروفیت کے سارا دن گھر میں بیٹھے رہنا وہ بھی کسی دوسرے کے گھر میں، یقیناً" ایک اکتا دینے والا عمل تھا۔ دو ماہ بعد جب پاپا نے قطر سے ان سب کا ویزا بھیجا تو ملک چھوڑنے کا دکھ ضرور تھا مگر یہ اطمینان اس دکھ پر غالب آ گیا تھا کہ وہاں وہ اپنی پڑھائی دوبارہ شروع کر سکیں گے۔

چھوٹے سے دو کمروں کے فلیٹ میں پہنچ کر رامین نے سکون کا سانس لیا تھا، حالانکہ گھر میں ضرورت کی کئی چیزیں موجود نہیں تھیں اگر وہ دادا جان کی بڑی سی کوٹھی سے اس گھر میں آئی ہوتی تو اس کے احساسات یقیناً" کچھ اور ہوتے۔ بیچ کے دو ماہ اس نے جس طرح جلد از جلد اپنے گھر پہنچ جانے کی خواہش کے ساتھ گزارے تھے، اس کے بعد یہاں آ کر اسے گہری طمانیت محسوس ہوئی تھی، مگر عامر کا منہ بن گیا۔

"اتنے چھوٹے سے کمرے میں، ہم تینوں کیسے رہیں گے؟" رامین خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"آہستہ بولو عامر۔ اگر پاپا نے سن لیا تو انہیں کتنا دکھ ہو گا۔ اتنے کم وقت میں اتنا کچھ مہیا کرنا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ وہ بھی ایک نئے ملک میں نئے، نئے بزنس کے ساتھ۔ ہم سب کے ویزے اور ٹکٹ میں ہی کتنا پیسہ خرچ ہوا ہو گا۔"

"آپی ٹھیک کہہ رہی ہیں عامر۔ مجھے تو الٹا حیرت ہو رہی ہے پاپا نے یہ سب کیسے کر لیا۔ ایک طرف وہ کہتے ہیں کہ دادا جان کی جائیداد کو ہاتھ بھی نہیں لگائیں گے، پھر یہ سارے اخراجات انہوں نے کیسے پورے کیے انہوں نے ایسا کون سا بزنس شروع کر دیا۔ جس کی شروعات میں ہی اتنی آمدنی ہو گئی۔" سینڈل کے اسٹیپ کھولتے وقت لمحہ بھر کے لیے رامین کے ہاتھ رک گئے، کیونکہ وہ پاپا اور تایا ابو کے بیچ تنازعے کی وجہ جانتی تھی۔

"پاپا اتنے سالوں سے دادا جان کے ساتھ بزنس کر رہے تھے، ان کا اپنا الگ اکاؤنٹ وغیرہ کچھ تو ہو گا پھر ان کے دوست نے بزنس کے لیے بینک سے لون بھی دلوایا ہے۔ پاپا کو ہم سب کا پیٹ پالنے کے لیے دادا جان کی جائیداد میں حصہ مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی ایک بات پاپا کی غلط ہے ان کی لڑائی چاہے جس وجہ سے بھی ہوئی ہو انہیں اس طرح اپنا حق نہیں

چھوڑنا چاہیے۔" عامر نے کئی دفعہ کی کہی بات پھر دہرائی۔

"ہو سکتا ہے' کل کو پاپا اس بارے میں بھی سوچیں۔ فی الحال تو ان کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ بزنس میں اپنے پاؤں جمانے کا ہے۔ ان کی ساری توجہ صرف اپنے کاروبار پر ہونی چاہیے۔" افشین جمائی لیتی بستر پر لیٹ گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ ان کی زندگی کا بہت مشکل دور تھا پاپا نے نیا نیا بزنس شروع کیا تھا چنانچہ امی قدم قدم پر گھر کی ضرورتوں کو دبا کر گزارا کرتی تھیں' یہاں تک کہ اگلے دو سال تک وہ پاکستان بھی نہیں گئے اور کیونکہ اس کا سارا ننھیال لاہور میں تھا۔ اس لیے کراچی سے ان کا رابطہ ایک طرح سے بالکل ختم ہو گیا تھا۔ تایا ابو کی وجہ سے انہوں نے کبھی گھر پر فون نہیں کیا اور نہ ہی تائی امی یا پھوپھی کو کبھی خط لکھا' حالانکہ ان دونوں سے ان کی کوئی ناراضی نہیں تھی مگر دوسری طرف سے انہوں نے بھی کوئی پیش رفت نہیں کی تو خود بخود انا کی ایک دیوار ان کے درمیان کھڑی ہو گئی' پھر ایک دن جب پھوپھی جان کے وصال کی خبر ان تک پہنچی تو کتنی دیر تک انہیں یقین ہی نہیں آیا۔ گھر کے اتنے بڑے سانحہ کی خبر انہیں باہر کے لوگوں سے ملی تھی وہ بھی کئی دنوں کے بعد' ایک مدت بعد پاپا نے تایا ابو کو فون کیا اور جو منہ میں آیا کہہ دیا ان کے کچھ الفاظ واقعی قابل گرفت تھے' مگر پاپا کو جو دکھ پہنچا تھا اس کے پیش نظر وہ یہ سب کہنے پر حق بجانب تھے' دوسری طرف شاید تایا ابو نے بھی انہیں بہت کچھ سنایا تھا اس لیے جب دو سال بعد وہ سب چھٹیوں میں پاکستان گئے تو صرف لاہور سے ہو کر واپس آ گئے اور پھر ہر بار وہ صرف لاہور تک جا کر واپس آ جاتی' آہستہ آہستہ ان کے معاشی حالات اچھے ہوتے گئے۔

رامین نے لاہور کے بہت بڑے میڈیکل کالج میں ایڈمیشن لے لیا۔ اس نے نانا نانی کے گھر میں رہنے کی بجائے ہاسٹل کا انتخاب کیا تھا اسے حقیقتاً" اپنے پاپا پر فخر تھا جنہوں نے اتنے کم وقت میں اتنی ترقی کر لی تھی۔ میڈیکل کی تعلیم کے دوران امی جب بھی پاکستان آتیں وہ بھی ان کے پاس نانا کے گھر آ جاتی' ایسے میں اس کی شادی کا ذکر ضرور آتا تھا جس پر نانی ہمیشہ یہی کہتیں۔

"اگر وہ لوگ بالکل خاموش ہیں' تو تم لوگ پہل کرو آخر تم لڑکی والے ہو۔" رامین کے تن بدن میں آگ لگ جاتی کیا وہ اتنی گری پڑی ہے کہ وہ لوگ اپنانے کے لیے تیار نہیں اور اس کے ماں باپ بھکاریوں کی طرح ان کے در پر جا کر سوال کریں' مگر وہ بھی ان کی بات میں بولتی نہیں تھی۔ امی تفکر سے کہتیں۔

"مجھے خود ہول اٹھتے ہیں اس کے بارے میں سوچ سوچ کر۔ مگر اس کے پاپا پتا نہیں کیا سوچے بیٹھے ہیں' مجھے لگتا ہے ان کی ضد بیٹی کا گھر اجاڑ دے گی۔"

"میں تو تمہارے ابا سے کہتی ہوں' آپ جا کر رامین کے تایا سے بات کریں۔ مگر ان کا ایک ہی جواب ہوتا ہے "رامین کا باپ موجود ہے اس کے بارے میں سوچنے کے لیے۔ ہمیں بیچ میں نہیں پڑنا چاہیے' کہیں بات اور بگڑ نہ جائے۔" میں پوچھتی ہوں اس سے زیادہ اور کیا بگڑے گی۔" نانی کا پریشان لہجے میں کہنا وقتی طور پر اسے مطمئن کر دیتا۔ کم از کم نانا اور پاپا' تایا ابو کے سامنے پہل کر کے اسے بے وقعت نہیں کریں گے خلش ضرور بڑھ جاتی' آخر یہ مسئلہ کیسے حل ہو گا؟ افشین اکثر کہا کرتی تھی۔

"تائی امی کی پریشانی کو کم کرنے کے لیے آپ کو بیچ میں ڈال کر دو سے تقسیم کر دیا گیا مگر ایسا کر کے آپ کی پریشانی فور سے ملٹی پلائے ہو گئی۔"

"کیا مطلب ہے اس ضرب اور تقسیم کا۔" رامین سخت چڑ کر پوچھتی جب سے اس نے آنکھ کھولی تھی وہ ایسی ہی باتیں کرنے لگی تھی۔

"بھئی جب شہروز بھائی آسٹریلیا جا رہے تھے' تب تائی امی بہت پریشان تھیں نا۔ ان کی پریشانی دور کرنے کے لیے آپ دونوں کا نکاح ہوا تھا تو حاصل ضرب یہی نکلا نا۔ کہ آپ کو بیچ میں گھسیٹ کر آپ کی پریشانی دو گنی کر دی گئی۔"

"میں یہاں میڈیکل کی ٹف پڑھائی سے جان چھڑا کر چھٹیاں گزارنے آتی ہوں اور تم الجبرا سے بھی زیادہ مشکل سوال لے کر بیٹھ جاتی ہو۔" رامین اس کی بات سے متفق ہونے کے باوجود بظاہر بے نیازی سے کہتی مگر وہ کتنی بھی بے نیازی دکھاتی حقیقت سے آنکھیں نہیں چرا سکتی تھی اپنا ہاؤس جاب مکمل کر کے جب وہ قطر آئی تو اس ارادے کے ساتھ کہ مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے کینیڈا چلی جائے گی وہاں امی کی خالہ زاد بہن رہتی تھیں انہوں نے ہی یہ مشورہ دیا تھا۔ معاشی طور پر یہ قدم اٹھانا ان کے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا وہ لوگ اب ایک ڈبل اسٹوری ولا میں شفٹ ہو گئے تھے۔ افشین کی پڑھائی تو رامین سے بھی زیادہ مہنگی تھی کیونکہ وہ وہیں یونیورسٹی میں پڑھ رہی تھی اور اگلے سال وہ عامر کو بھی ایسی ہی کسی یونیورسٹی میں داخل کرانے کا سوچ رہے تھے۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ پاپا سے کوئی بات کرتی پاپا نے خود ہی ذکر چھیڑ دیا۔ اس وقت گھر پر کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ ان کے خاص طور پر بلوانے سے وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ کوئی اہم بات کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ان کی طویل تمہید اسے الجھن میں مبتلا کرنے لگی وہ اسے اپنے مشکل سے سیٹ کیے گئے بزنس کے بارے میں بتا رہے تھے۔

"کیا تم جانتی ہو' میں نے تمہارے دادا جان کا گھر کیوں چھوڑا تھا۔" رامین اس سوال کے لیے بالکل تیار نہیں تھی وہ اچنبھے کے عالم میں انہیں دیکھے گئی۔

"جی وہ..... تایا ابو سے کوئی لڑائی ہو گئی تھی' آپ کی۔" "نہیں مختصر پا کر اسے کہنا پڑا۔

"وہی تو میں پوچھ رہا ہوں کیا تمہیں لڑائی کی وجہ معلوم ہے۔" رامین نے بمشکل سر نفی میں ہلا دیا تو وہ صوفے کی بیک پر سر ٹکاتے ہوئے چھت کی طرف دیکھنے لگے۔

"تمہارے تایا ابو نے مجھ پر غبن کا الزام لگایا تھا' ان کا کہنا تھا چھوٹے موٹے فراڈ تو میں کرتا ہی رہتا تھا' مگر اس بار جو ہاتھ میں نے مارا ہے وہ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔ میرے پاس اپنی بے گناہی ثابت کرنے کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔ میں نے عہد کر لیا کہ اس گھر کا پانی تک نہیں پیوں گا تمہارے تایا ابو کو کبھی اپنے کیے پر کوئی افسوس نہیں ہوا۔ آٹھ سال ہونے والے ہیں ہمیں اس گھر کو چھوڑے ہوئے' لیکن تمہارے تایا ابو نے کبھی پلٹ کر نہیں پوچھا کہ ہم زندہ بھی ہیں یا مر گئے۔ میرے دل میں ان کے لیے احترام تھا۔ اس لیے میں نے کبھی تمہارے سامنے ان کی برائی نہیں کی۔ کبھی روایتی انداز میں انہیں کوسا نہیں۔ لیکن آنکھیں بند کرنے سے دنیا میں اندھیرا نہیں ہو جاتا۔ ہم اس انتظار میں کب تک بیٹھے رہ سکتے ہیں کہ ایک دن وہ تمہارا ہاتھ مانگنے آئیں گے اور بالفرض' تمہاری امی کی خواہش کے مطابق ایسا ہو بھی گیا تو تم خود سوچو تمہاری اس گھر میں کیا عزت ہو گی؟ جب یہ سب ہوا تب شہروز وہاں نہیں تھا اس نے وہی سنا ہو گا جو گھر والوں نے بتایا ہو گا۔ تم ساری زندگی اس گھر میں میرے غبن اور فراڈ کے طعنے سنتی رہو گی' اس لیے میں چاہتا ہوں اس رشتے کو ختم کر دیا جائے۔"

رامین جو ابھی تک سانس روکے ان کی باتیں سن رہی تھی ان کا آخری جملہ سن کر چکرا کر رہ گئی' ایسا لگ رہا تھا جیسے زمین اپنی جگہ سے ہل گئی ہو' غیر ارادی طور پر اس نے صوفے کے ہتھے مضبوطی سے پکڑ لیے جیسے وہ گر جائے گی۔ پاپا بدستور چھت کو دیکھتے ہوئے اسے شرعی نقطہ نظر سمجھانے لگے مگر وہ تو کچھ سن ہی نہیں رہی تھی اپنے آس پاس اسے اتنا شور سنائی دے رہا تھا جیسے کئی عمارتیں ایک ساتھ زمین بوس ہو گئی ہوں۔ پاپا ایک دم اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے سرہانے آ کھڑے ہوئے اپنے سر پر ان کے ہاتھ کا لمس محسوس کر کے وہ انہیں خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگی۔

"طلاق' بھلے ہی ناپسندیدہ ہو مگر یہ ایک جائز فعل ہے جب مذہب نے ہمارے لیے آسانیاں رکھی ہیں تو ہمیں خوا مخواہ کا تردد نہیں کرنا چاہیے۔" کوئی چیز چھناکے سے اس کے اندر ٹوٹی تھی۔ کیا کوئی باپ اپنی

بیٹی سے ایسا کہہ سکتا ہے؟ اس کا دل چاہا چیخ چیخ کر روئے۔ وہ پتھرائی انہیں دیکھتی رہی یہاں تک کہ وہ کمرے سے چلے گئے۔ وہ ویسے ہی بیٹھی رہی۔

☼ ☼ ☼

شام ہونے تک اسے بخار ہو گیا تھا بابا کی باتوں نے اسے اندر تک جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ واقعی وہ ٹھیک کہہ رہے تھے وہ کب تک ان کے انتظار میں بیٹھے رہیں گے، آخر کوئی فیصلہ تو کرنا پڑے گا یا تو خود پہل کر کے انہیں یاد دہانی کرائی جائے یا پھر اس رشتے کو ختم کر دیا جائے، پہلی صورت کے بارے میں امی بہت بار کہہ چکی تھیں اور ہر بار امی کا اس طرح سوچنا اسے اپنی شدید بے عزتی کا احساس دلاتا تھا۔ مگر اس دوسرے حل کی طرف اس کا کبھی دھیان بھی نہیں گیا تھا اور اب تو جیسے سوچتے ہوئے بھی عجیب لگ رہا تھا شہروز کے ساتھ اس کی کوئی جذباتی وابستگی نہیں تھی اسے یہی لگتا تھا جیسے اس کی شادی زبردستی شہروز کے ساتھ کر دی گئی ہو۔ ہاں اگر ان دونوں گھرانوں کے بیچ یہ تلخی نہ ہوئی ہوتی تو ہو سکتا تھا اس کے احساسات بدل جاتے مگر اس گھر کو چھوڑنے کے بعد اسے شہروز کے متعلق سوچتے ہوئے بھی ڈر لگتا تھا، لیکن ان سب باتوں کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ اس رشتے کو ختم کر دینا چاہتی تھی۔ گیارہ سال ہو گئے تھے ان کے نکاح کو۔ گیارہ سال بہت طویل عرصہ ہوتا ہے، کسی رشتے کی حقیقت کو قبول کرنے کے لیے۔ بستر پر پڑی وہ جانے کیا کیا سوچ رہی تھی کہ تبھی اسے اچانک دادا جان کی بات یاد آ گئی۔

"رشتہ توڑ دینا بہت آسان ہے، اصل بات تو انہیں نبھانا ہے۔" رامین بے چینی سے بستر پر اٹھ بیٹھی۔ دادا جان نے ایسا کیوں کہا تھا کیا انہیں اندازہ تھا کہ حالات ایسا رخ اختیار کر جائیں گے؟ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آیا واقعی جھگڑا اتنا بڑھ گیا ہے کہ سارے رشتے ختم کرنے کی نوبت آ گئی ہے یا انہوں نے خود جھگڑے کو بڑھا دیا ہے۔ کاش کسی طرح وہ ایک بار تایا ابو کے گھرانے سے مل سکتی کم از کم کچھ تو پتا چلتا وہ لوگ کیا سوچتے ہیں ان کے کیا ارادے ہیں مگر وہ جانتی تھی، یہ ممکن نہیں تھا۔

دو دن تک وہ بخار میں پڑی رہی، شاید اسی لیے بابا دوبارہ اس موضوع پر بات نہ کر سکے مگر اس کی توقع کے برخلاف اچانک کینیڈا سے امی کی خالہ زاد بہن جنہیں وہ بڑی خالہ کہتی تھی انہوں نے اس کے کینیڈا جانے کے سارے انتظامات پورے کر دیے وہ تو ابھی بابا سے اجازت لینے کا سوچ رہی تھی اور انہوں نے ویزا بھی نکلوا لیا کیونکہ اس کے پیپرز وہ پہلے ہی منگوا چکی تھیں، بقول ان کے ایڈمیشن وغیرہ تو بعد میں ہوں گے، پہلے یہاں آ کر ساری معلومات کر لو۔ اسے امی بابا کے اتنی آسانی سے مان جانے پر حیرت تو تھی مگر اس سے بھی زیادہ اس بات کی خوشی تھی کہ خلع کا معاملہ فی الحال کھٹائی میں پڑ جائے گا وہ تو ایک طرح سے یہاں سے بھاگ رہی تھی۔

"یقین نہیں آ رہا کہ امی بابا اتنی دور بھیجنے کے لیے مان گئے۔" افشین اس کی پیکنگ میں مدد کرتے ہوئے بولی۔

"یقین تو مجھے بھی نہیں آ رہا اور بڑی خالہ نے بھی صرف میرا ہی ویزا نکلوایا، حالانکہ اتنی لمبی فلائیٹ ہے کم از کم امی یا تمہیں تو ساتھ ہونا چاہیے تھا۔ فلائیٹ چھ گھنٹے فرانس ایئرپورٹ پر رکے گی امی تو پریشان بھی ہیں، لیکن بابا نے ان کی ایک نہیں سنی مجھے تو ایسا لگ رہا ہے یہ سب کسی پلاننگ کے تحت ہو رہا ہے۔" رامین نے سوچا تو بہت بار تھا مگر زبان پر اب لائی تھی۔

"کیا مطلب؟" افشین چونکی۔

"مطلب یہ کہ..... ایک وقت تھا جب کوئی شہروز کو باہر پڑھنے بھیجنے کے لیے تیار نہیں تھا اور آج امی بابا مجھے..... ایک لڑکی کو اتنی دور بھیج رہے ہیں۔"

"آپی آپ بھی حد کرتی ہیں شہروز بھائی صرف پندرہ سال کے تھے اور آپ ایک میچور ڈاکٹر ہیں اور آپ خالہ کے پاس جا رہی ہیں وہ بھی صرف اپنا شوق پورا کرنے۔ ضروری نہیں آپ کو ایڈمیشن مل جائے، پہلے آپ کو وہاں جا کر ایگزامز دینے ہوں گے اور....."

رامین نے اس کی شرارت سمجھتے ہوئے درمیان میں ہی اس کی بات کاٹتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے تو دال میں کچھ کالا لگ رہا ہے کچھ دن پہلے ہی بابا نے مجھ سے بات کی تھی، خلع لینے کی۔" رامین پیکنگ چھوڑ کر بستر پر بیٹھ گئی۔

"خلع!" افشین حیرت سے گنگ رہ گئی۔

"میری سمجھ میں نہیں آیا، میں انہیں کیا جواب دوں اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ پوچھیں میں یہاں سے کہیں دور چلی جانا چاہتی ہوں۔ بڑی خالہ نے میرا ویزا اچانک بھیج کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے مگر تم یہ سب امی سے مت کہہ دینا کہیں وہ تایا ابو سے کوئی رابطہ کرنے نہ بیٹھ جائیں۔" رامین خود کلامی کے انداز میں بول رہی تھی۔ افشین اس کے سامنے کارپٹ پر گرنے کے انداز میں دو زانو بیٹھ گئی۔

"آپی یہ وقت نام نہاد خودداری دکھانے کا نہیں ہے ہمیں فوراً" تایا ابو سے بات کرنی چاہیے، ایک بار خلع کا کیس بن گیا تو بہت مشکل ہو جائے گی میری سمجھ میں نہیں آ رہا بابا نے یہ سوچا بھی کیسے۔" افشین صدمے سے چور لہجے میں بولی۔

"تو اور کیا کریں وہ۔ تایا ابو کی طرف سے اتنی خاموشی ہے ایسے حالات میں بابا اور کیا سوچ سکتے ہیں اور امی، تایا ابو سے کیا بات کریں گی کیا انہیں یاد نہیں کہ اس گھر سے ان کا ایک رشتہ اور بھی ہے۔" رامین ایک دم تلخ ہو گئی۔

"آپی آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ لیکن اس طرح تو بات بالکل بگڑ جائے گی بلکہ مجھے لگ رہا ہے بابا آپ کو اسی لیے بڑی خالہ کے پاس بھیج رہے ہیں آپ ٹھیک سوچ رہی ہیں یہ سب کسی پلاننگ کے تحت ہو رہا ہے، خالہ آپ کو کسی اور مقصد سے بلا رہی ہیں پڑھائی کا بہانہ انہوں نے صرف امی کو مطمئن کرنے کے لیے بنایا ہے اور بابا یہ بات جانتے ہوں گے۔" شک تو رامین کو بھی تھا اب افشین کے منہ سے یہ سب سن کر اس کا دل ڈوبنے لگا۔

"میں نہیں جا رہی۔ مجھے نہیں ملنا کسی لڑکے سے اور نہ ہی کسی فیملی سے۔"

"آپی! بچوں جیسی باتیں مت کریں آپ کیا کہہ کر منع کریں گی اب اگر وہ یہ سب کر رہی ہیں تو یقیناً" بابا کی مرضی سے کر رہی ہیں آپ فی الحال چلی جائیں ابھی آپ کا یہاں سے چلے جانا ہی اچھا ہے ورنہ بابا کوئی قانونی کارروائی نہ شروع کر دیں۔" رامین اس کی بات پر گہرا سانس کھینچ کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

فرانس ایئرپورٹ پر اس کا پہلا ایک گھنٹا کافی آرام سے گزر گیا مگر اپنے ہاتھ میں لائی کتاب پوری پڑھنے کے بعد جب اس نے دوسری کتاب نکالنے کے لیے بیگ کھول کر دیکھا تو دھک سے رہ گئی کتابوں کا وہ پورا بنڈل جو اس نے خاص طور پر وقت گزارنے کی نیت سے رکھا تھا وہ وہاں سرے سے تھا ہی نہیں۔ اس نے بڑی خالہ کے پورے گھر کے لیے تحائف خریدے تھے۔ جنہیں بیگ میں رکھنے کے بعد عامر کو اس کا سامان اوور ویٹ لگنے لگا تھا تب اس نے اعلان کیا تھا کہ میں کچھ چیزیں نکال رہا ہوں اور اس وقت رامین اتنی گھبرائی ہوئی تھی کہ اس نے دھیان ہی نہیں دیا کہ عامر نے سب سے اوپر پڑا "قیمتی اثاثہ" نکال لیا ہے وہ اگلے پانچ گھنٹے خالی بیٹھنے کے خیال سے ہی کانپ گئی وہ اس بیگ کو دیگر سامان کے ساتھ جہاز میں چڑھانے والی تھی کہ بالکل اچانک اسے یاد آیا کہ اس میں کتابیں بھی ہیں تب اس نے یہ بھاری بھرکم بیگ اپنے ساتھ رکھ لیا تھا۔

جب سے اس نے میڈیکل کی پڑھائی کی تھی اسے خالی بیٹھنے کی عادت نہیں رہی تھی کتنی ہی ایسی کتابیں تھیں جو وہ پڑھنا چاہتی تھی مگر اس کے پاس وقت نہیں ہوتا تھا اور آج وقت ہی وقت تھا تو اس کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی۔ عامر سامنے ہوتا تو وہ اسے بے نقط سنا دیتی، مگر اس وقت وہ سوائے دل ہی دل میں بڑبڑانے کے کچھ نہیں کر سکتی تھی، لیکن دس منٹ بعد وہ اس مشغلے سے بھی اکتا گئی اور ادھر سے ادھر آتے جاتے

لوگوں کا غیر ضروری تفصیلی جائزہ لینے لگی۔ اس کی نظر ایک افریقن عورت پر پڑی اس نے اپنے بے تحاشا گھنگھریالے بالوں کی بہت ساری پتلی پتلی چٹیا بنا رکھی تھیں رامین بے اختیار اپنی آنکھیں چندھیا کر ان کی تعداد گننے لگی لیکن ایک تو وہ عورت اپنا سر اتنا ہلا رہی تھی اور دوسرے وہ اس سے کافی فاصلے پر تھی۔ جب کئی بار رامین کی گنتی میں گڑبڑ ہوئی تو وہ بلا ارادہ اپنا ہینڈ بیگ گھسیٹتی اس کی طرف بڑھ گئی' ابھی وہ اس کے نزدیک پہنچی بھی نہیں تھی کہ اچانک اس کی نظر اٹھی اور جیسے پلٹنا بھول گئی۔

اس عورت کی طرف تیزی سے بڑھتے قدم زمین پر جم کر رہ گئے۔ وہ ایک سکتے کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھی' حالانکہ رامین نے اسے پورے گیارہ سال بعد دیکھا تھا مگر وہ ایک نظر میں اسے پہچان گئی تھی۔ وہ اس شہروز سے کافی مختلف تھا جسے وہ گیارہ سال پہلے جانتی تھی اس وقت وہ بہت دبلا ہوا کرتا تھا وہ کسی سے موبائل پر بات کر رہا تھا۔ بات کے دوران اس کے چہرے پر وہی مخصوص مسکراہٹ تھی' جو اسے اور شازیہ کو تنگ کرتے وقت اور بھی گہری ہو جاتی تھی' البتہ اس کے قرینے سے سیٹ ہیر اسٹائل کو دیکھ کر رامین کو حیرت ہوئی تھی۔ وہ تو سوچتی تھی شہروز کی زلفیں کمر تک پہنچ گئی ہوں گی۔ وہ خود فراموشی کے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ موبائل کان پر سے ہٹا کر کوئی دوسرا نمبر ملانے لگا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بیگ تھا وہ بہت سست روی سے چلتا رامین کی طرف آنے لگا اس کا سارا دھیان اپنے موبائل پر ہی تھا' شاید جو نمبر وہ ڈھونڈ رہا تھا وہ موبائل میں موجود ہی نہیں تھا رامین اپنی جگہ بت بنی اسے اپنے بالکل پاس سے گزرتا دیکھتی رہی' پرفیوم کے معاملے میں اس کی پسند آج بھی وہی تھی۔ وہی تیز مسحور کر دینے والی خوشبو جس سے شازیہ کو چھینکیں آنے لگتی تھیں۔

آج بھی وہ اسے دیکھے بغیر اس کے پاس سے گزرتا آگے بڑھ گیا تھا' جیسے گیارہ سال پہلے وہ اس کے کمرے سے نکلا تھا۔ اس کی موجودگی سے بے نیاز اپنے آپ میں مگن۔ آج بھی رامین گیارہ سال پہلے کی طرح اس کے جانے کے بعد اپنی جگہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی۔ اسے اپنے آس پاس ویسی ہی تاریکی پھیلی ہوئی محسوس ہو رہی تھی' جیسے شہروز کمرے کی لائیٹ آف کر کے نکل گیا ہو' جانے کتنی دیر وہ ایسے ہی کھڑی رہتی کہ اچانک کسی کی آواز نے اسے چونک کر پلٹنے پر مجبور کر دیا۔

"رامین تم یہاں؟" اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا اس لیے نہیں کہ شہروز اس سے مخاطب تھا بلکہ اس لیے کہ شہروز کے چہرے پر پھیلے خوشی کے تاثرات بہت واضح تھے۔ وہ کچھ حیران حیران سا اسے دیکھ رہا تھا اپنے اور اس کے بیچ رشتے کی نوعیت نے اس کی دھڑکنیں بہت بڑھا دی تھیں اسے خود نہیں پتا تھا کیسے اس کے منہ سے یہ الفاظ نکل گئے۔

"میں رامین نہیں ہوں۔" اپنی آواز اسے خود بہت اجنبی لگی تھی۔ شہروز نے اسے اتنے یقین سے مخاطب کیا تھا کہ اسے لگ رہا تھا وہ اسے ابھی جھٹلا دے گا' لیکن یہاں تو ایک سیکنڈ میں اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے تھے اور ساتھ ہی رامین کو اپنی غلطی کا احساس بھی دلا گئے تھے۔

ان گزرے گیارہ سالوں میں کئی بار اس کے دل میں ان سب سے اور خاص طور پر شہروز سے ملنے کی شدید خواہش پیدا ہوئی تھی اور آج جب وہ خواہش بالکل اتفاقی طور پر پوری ہو گئی تھی تو اسے کیا ضرورت تھی یہ جھوٹ بولنے کی' وہ اپنی کیفیت خود بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی' حالانکہ شہروز کے بے ساختہ انداز پر اسے اتنا تو اندازہ ہو گیا تھا کہ شہروز نے اسے ابھی ہی دیکھا ہے وہ جو نمبر ڈائل کر رہا تھا وہ مل نہیں رہا تھا اسی کوشش کے دوران ادھر سے ادھر ٹہلتے وقت وہ اچانک ہی رامین کی طرف پلٹا اور اس پر نظر پڑتے ہی اس سے مخاطب بھی ہو گیا پھر بھلا خوا مخواہ کی ناراضی دکھا کر وہ خود اپنا ہی نقصان کیوں کر رہی ہے وہ دل ہی دل میں خود کو سرزنش کرتی رہی مگر اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی اچانک

بولے گئے اس جھوٹ کا اعتراف کرنے کی۔ دوسری طرف شہروز کچھ دیر بے یقینی سے اسے دیکھتے رہنے کے بعد ایک دم سنجیدگی سے بولا۔

"آئی ایم سوری!" اس نے فوراً" ہی قدم آگے بڑھا دیے رامین جانتی تھی ایسی حادثاتی ملاقات زندگی میں شاید دوبارہ کبھی نہ ہو سکے اس وقت وہ اس سے وہ سارے سوال پوچھ سکتی تھی' جو اس کے ذہن میں پچھلے گیارہ سالوں سے ابھر رہے تھے مگر اس نے خود ہی اس موقع کو اپنی بے وقوفی سے کھو دیا تھا۔ شہروز کے چلے جانے کے خیال سے اس کے اندر بے چینی ایک دم بہت بڑھ گئی اچانک اس کے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا اور وہ بے ساختہ کہہ گئی۔

"ویسے رامین میری بہن کا نام ہے کیا آپ جانتے ہیں آپی کو۔" شہروز ٹھٹھک کر رکا اور گردن گھما کر حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔

"افشین تم اتنی بڑی ہو گئی ہو۔" رامین ایک دم پرسکون ہو گئی اگر آج شہروز کے سامنے سچ مچ افشین کھڑی ہوتی' تب بھی اس کے منہ سے یہی جملہ نکلتا کیونکہ افشین واقعی میں دیکھنے میں بالکل رامین کے برابر لگتی تھی ان کے خدوخال بچپن سے ہی ملتے جلتے تھے اس لیے شہروز کے لیے رامین کے جھوٹ پر ایمان لے آنا اتنا مشکل نہیں تھا' ویسے بھی گیارہ سال پہلے جب اس نے افشین کو دیکھا تھا تب وہ کلاس تھرڈ میں پڑھتی تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو' مجھے نہیں پہچانا میں شہروز تمہارے تایا ابو کا بیٹا کیا بالکل ہی یادداشت کھو گئی ہے تمہاری' میری شکل اتنی تو نہیں بدلی میں اس وقت بھی کافی بڑا ہو چکا تھا مجھ میں بہت معمولی سا فرق آیا ہے۔ لیکن تم بہت چھوٹی تھیں نا اس لیے بھول گئی ہو گی تمہاری جگہ اگر رامین ہوتی تو شاید وہ مجھے پہچان لیتی۔ خیر چھوڑ یہ بتاؤ تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ گھر میں سب کیسے ہیں؟" وہ اسے بولنے کا موقع دیے بغیر نان اسٹاپ بولے جا رہا تھا۔ رامین بات کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھی' پتا نہیں کہاں سے بہت سارا پانی آنکھوں میں جمع ہو گیا تھا' جنہیں ضبط کے باوجود وہ چھلکنے سے روک نہ سکی۔

"اوہ گاڈ! یار یہ تم ایموشنل ڈرامہ تھوڑی دیر کے لیے ملتوی نہیں کر سکتیں۔" شہروز گہرا سانس کھینچ کر ایسے مسکرایا تھا جیسے اس کے بچپنے پر ہنسی آ رہی ہو۔

"اچھا یہ بتاؤ کہاں جا رہی ہو۔" پوچھنے کے ساتھ ہی شہروز جھک کر اس کے بیگ پر لگی چٹ پڑھنے لگا اور عامر کی رائیٹنگ میں لکھی تحریر پڑھ کر وہ کچھ الجھ کر بولا۔

"کینیڈا! اتنی دور۔ تم اکیلی ہو یا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟" رامین خود پر قابو پاتے ہوئے قدرے سنبھل کر کہنے لگی۔

"امی کی خالہ زاد بہن وہاں رہتی ہیں نا۔ ان کے پاس جا رہی ہوں اور آپ؟"

"میں بزنس کے سلسلے میں یہاں آیا تھا اور اب یہاں سے آسٹریلیا جا رہا ہوں۔ تمہارا کتنے گھنٹوں کا اسٹے ہے یہاں؟"

"ابھی تو ساڑھے چار گھنٹے رہ گئے ہیں۔" رامین نے رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"اتنی دیر تم اکیلی ایئرپورٹ پر بیٹھی رہو گی' آخر تمہیں ضرورت کیا ہے کینیڈا جانے کی۔"

"چھوڑیں ان باتوں کو۔ آپ یہ بتائیں گھر میں سب کیسے ہیں۔" رامین بات بدلتے ہوئے بولی۔ اس کا اعتماد کافی حد تک بحال ہو گیا تھا وہ بھی اس لیے کہ اس نے خود کو افشین کے طور پر متعارف کرایا تھا وہ اسے جلدی جلدی سب کے بارے میں بتانے لگا' بیچ بیچ میں وہ امی بابا اور عامر کے بارے میں بھی پوچھ لیتا' مگر اس کا جواب سنے بغیر دوسری بات شروع کر دیتا۔ رامین اس کے انداز پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکی جسے محسوس کر کے وہ ایک دم چپ ہو گیا اور کچھ شرمندہ سے انداز میں بولا۔

"میں ایسا کرتا ہوں اپنی فلائیٹ چھوڑ دیتا ہوں پھر شاید ہم اطمینان سے بات کر سکیں۔"

"کوئی فائدہ نہیں میری فلائیٹ کا وقت ہو جائے گا' لیکن باتیں ختم نہیں ہوں گی۔" رامین سنجیدگی سے

بولی۔

"ہاں تمہیں کون سا سننے میں دلچسپی ہو گی تب ہی تو کوئی رابطہ بھی نہیں رکھا۔" شہروز کے شکوہ بھرے انداز پر رامین تلخی سے مسکرا دی۔

"یہ شکایت تو میں بھی کر سکتی ہوں جس بے سروسامانی کے عالم میں پاپا نے گھر چھوڑا تھا اس کے بعد بھی وہاں سے کسی نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ ہم کس حال میں ہیں زندہ بھی ہیں یا مر گئے۔" شہروز سے مل کر وہ ویسے بھی جذباتی ہو رہی تھی۔ اس وقت تو اس کی آواز بھر آگئی اس کی حالت کو دھیان میں رکھتے ہوئے شہروز نے خود کو کوئی سخت بات کہنے سے روکا تھا۔

"اگر تم سب بے سروسامانی کے عالم میں نکلے تھے تو تم لوگوں کے پیچھے اس گھر میں بھی فاقوں کی نوبت آگئی تھی۔" رامین نے بری طرح چونک کر اسے دیکھا تھا جو سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"تم لوگوں کا برا وقت تو بہت مختصر تھا مگر ہمیں واپس نارمل حالات کی طرف آنے میں بہت ٹائم لگا تھا۔ یہاں یہ بحث تو بے کار ہے کہ غلطی ان دونوں میں سے کس کی تھی' کیونکہ اس وقت جو حالات تھے وہ ہم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھے۔ ہم صرف وہ جانتے ہیں جو ہمیں بتایا گیا۔ مگر اس کے بعد جو ہوا اس کی روشنی میں قصوروار تم بھی ہو۔ پھوپھی جان کی موت کوئی معمولی بات نہیں تھی اس موقع پر تم سب کو کم از کم عمر' امان اور عائشہ سے تو کانٹیکٹ کرنا چاہیے تھا وہ تو اس دشمنی سے باہر تھے کتنا بڑا صدمہ تھا۔ ان تینوں کے لیے۔" رامین لاجواب ہو کر اپنا ٹرالی بیگ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کرنے لگی تبھی شہروز کی مطلوبہ فلائیٹ کا اعلان ہوا تو رامین بے اختیار کہنے لگی۔

"میں ان تینوں سے بہت شرمندہ ہوں' مگر وہ وقت ایسا تھا کہ گھر میں کوئی بھی ان کے لیے چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکا۔ شاید ہم سب پاپا سے بہت ڈرتے ہیں' یا شاید ان کی بہت عزت کرتے ہیں اس لیے۔"

شہروز اس کی بات پر کچھ دیر تو اسے دیکھتا رہا پھر خود کلامی کے انداز میں بولا۔

"ہوں۔ تم سب کو ایسا ہی لگتا ہو گا نا کہ ڈیڈی نے چچا جان پر چوری کا الزام لگا کر انہیں گھر سے نکال دیا اب اگر ہم یہ کہیں کہ وہ الزام نہیں ایک حقیقت تھی تو تم مانو گی نہیں۔" غصے کی ایک شدید لہر اسے اپنے اندر اٹھتی ہوئی محسوس ہوئی تھی وہ ایک دم بھڑک کر بولی۔

"میرے پاپا چور نہیں ہیں وہ تو اتنے خوددار ہیں کہ انہوں نے اس الزام کے بعد ایک منٹ بھی اس گھر میں رہنا گوارا نہیں کیا اور اپنے حصے کی جائیداد کو ٹھوکر مار کر چلے گئے۔" شہروز نے اس طرح دو تین گہرے سانس لیے' جیسے اپنا غصہ پینے کی کوشش کر رہا ہو۔

"ٹھیک ہے ساری غلطی ڈیڈی کی تھی' جو کچھ بھی برا ہوا سب ان کی وجہ سے ہوا لیکن ان کی غلطی میں ہمارا تو کوئی قصور نہیں تھا۔ امی اور شازیہ آج بھی تم لوگوں کو بہت یاد کرتی ہیں پھر سب اس طرح قطع تعلق کر کے کیوں بیٹھے ہیں کم از کم میرے اور رامین کے بارے میں تو سب کو کچھ سوچنا چاہیے۔" شہروز نے جس طرح لٹھ مار انداز میں تایا ابو کو قصوروار ٹھہرایا تھا اس سے رامین کا غصہ اور بڑھ گیا تھا مگر اس کی آخری بات پر وہ بھی اپنے دل و دماغ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرنے لگی' کیونکہ وہ خود بھی اس معاملے میں شہروز کے نظریات جاننا چاہتی تھی۔

"جب تک اس گھر میں پاپا کو چور سمجھا جائے گا' تب تک تعلقات بحال کرنے کی کوشش کبھی بھی کارگر ثابت نہیں ہو گی۔" رامین نے حتی الامکان تحمل سے کہا۔

"اسی لیے چچا جان طلاق کا مطالبہ کر رہے ہیں۔" شہروز کے سپاٹ لہجے میں کہے جملے نے رامین کے ہوش اڑا دیے تھے جہاں تک اس کی معلومات تھی پاپا اور تایا ابو کے بیچ بات چیت بالکل بند تھی تب ہی پاپا نے ان کی خاموشی سے عاجز آکر یہ تجویز اس کے سامنے رکھی تھی۔ پھر انہوں نے یہ مطالبہ کب کیا۔

"ایسے کیوں حیران ہو رہی ہو جیسے تمہیں کچھ پتا ہی

نہیں۔ چچا جان نے دھمکی دی ہے کہ اگر رامین کو سیدھے طریقے سے آزاد نہیں کیا گیا تو وہ خلع کا کیس کردیں گے اور ظاہری بات ہے یہ کیس وہ آرام سے جیت بھی جائیں گے کیونکہ ہمارا نکاح بچپن میں ہوا تھا۔ اگر بالغ ہونے کے بعد لڑکی نکاح کو نہ مانے تو کورٹ آرام سے اس کے حق میں فیصلہ سنا دے گا۔"

بولتے بولتے شہوز کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔ رامین ششدر سی کھڑی تھی دوبارہ اناؤنسمنٹ ہو رہی تھی شہوز تمام مسافروں کو نظروں سے اوجھل ہوتا دیکھ کر کہے بغیر نہ رہ سکا۔

"کوئی بھی فیصلہ یک طرفہ بیان سن کر نہیں کیا جا سکتا' ہمارے بیچ کمیونیکیشن گیپ بہت بڑھ گیا ہے' ہم سب کو آپس میں مل کر تفصیل سے بات کرنے کی سخت ضرورت ہے تم میرا کارڈ رکھ لو اس پر میرا نمبر' موبائل نمبر' میل' ای میل سب لکھا ہے کینیڈا پہنچ کر مجھ سے کانٹیکٹ ضرور کرنا اور پلیز اس بات کو انا کا مسئلہ مت بنانا کیونکہ تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ وہ ساری دولت کو ٹھوکر مار کر چلے آئے جبکہ وہ دوسری طرف کوٹھی بیچنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ وہ صرف ایک کوٹھی نہیں ہے دادا جان کا ارمانوں سے بنایا گھر ہے اسے بیچنے کے حق میں کوئی بھی نہیں ہے اسی لیے چچا جان دھمکی دے رہے ہیں کہ کوٹھی نہیں بیچی تو خلع کا کیس کردیں گے اب تم خود ایمانداری سے بتاؤ خلع کا کوٹھی سے کیا تعلق ہے؟ دراصل چچا جان کو ایک بڑی پارٹی مل گئی ہے' جو اس کوٹھی کو گرا کر شاپنگ پلازہ بنانا چاہتی ہے وہ ایریا اتنا کمرشل ہو چکا ہے کہ اس کوٹھی کی منہ مانگی قیمت مل رہی ہے اور اسی لیے چچا جان اسے فروخت کروانے پر بضد ہیں' اب تمہیں اچھا لگے یا برا' سچ یہ ہے کہ چچا جان نے کروڑوں روپے کا گھپلا کیا ہے۔ انہوں نے گھر نہیں چھوڑا بلکہ وہ فرار ہوئے ہیں' ان کے چلے جانے کے بعد جب ڈیڈی اصل تو کیا اقساط بھی ادا کرنے کی پوزیشن میں نہ رہے تو بینک نے ہماری کتنی ہی پراپرٹیاں ضبط کرلیں۔ مجھے اور عمر کو وقتی طور پر پڑھائی تک چھوڑنی پڑی۔ ڈیڈی کو اس شدید کرائسس سے باہر نکالنے کے لیے۔ تمہاری ہمدردیاں قدرتی طور پر چچا جان کے ساتھ ہوں گی مگر تم تھوڑا غیر جانبدار ہو کر سوچو۔ گھر چھوڑتے ہی انہوں نے دو مہینے میں پاکستان سے باہر قطر میں اپنا بزنس بھی سیٹ کرلیا اور تم سب کو بھی بلالیا۔ فیملی ویزا اتنی آسانی سے تو نہیں ملتا۔ سچ تو یہ ہے انہوں نے تم سب کے پیپرز بنا کر پہلے سے ہی بھاگنے کی تیاری کر رکھی تھی' اگر دادا جان کا انتقال نہ بھی ہوتا تب بھی وہ چلے جاتے۔

اتنے برے حالات میں سارا قرض چکا کر ہم بزنس میں واپس کیسے آئے؟ یہ ہم ہی جانتے ہیں ایک طرح سے چچا جان اپنے حصے سے کہیں زیادہ پیسہ پہلے ہی لے چکے ہیں اوپر سے کوٹھی کے لیے خلع کا کیس کرنے کی دھمکی دینا تو بہت ہی گری ہوئی بات ہے۔ میں رامین سے ملنا چاہتا ہوں اس سے ایک بار بات کرنا چاہتا ہوں تم لوگ پلیز ساری انا ایک طرف رکھ کر ایک بار کراچی آجاؤ' بھلے ہی ہوٹل میں ٹھہر جاؤ' گھر مت آنا امی اور شازیہ خود تم سب سے ملنے آجائیں گی اب میں چلتا ہوں میری فلائیٹ مس ہو جائے گی پلیز مجھ سے کینیڈا پہنچتے ہی کانٹیکٹ کرنا اوکے۔" شہوز تیز تیز بولتا اسے کارڈ تھما کر آگے بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼
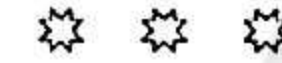
رامین کا ذہن بری طرح منتشر ہو گیا تھا۔ ایک طرف اسے لگتا شہوز ٹھیک کہہ رہا ہے' تو دوسری طرف وہ اپنے پاپا کے متعلق بھی اس طرح سوچنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس ذہنی خلفشار نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ اتنا لمبا سفر کر کے جب وہ کینیڈا پہنچی تو اپنے شک کو یقین میں بدلتا دیکھ کر اس کا دل چاہا اگلی فلائیٹ سے واپس چلی جائے۔ ایئرپورٹ پر اسے بڑی خالہ اپنی بہو اور بہو کے ہینڈسم ڈیشنگ بھائی کے ساتھ اسے ریسیو کرنے آئی تھیں' بقول ان کے' ان کے بیٹے کے پاس وقت نہیں تھا مگر بہو صاحبہ کے بھائی محترم نہایت فرماں بردار' ہونہار اور ہر طرح کی ظاہری اور باطنی

خوبیوں سے لیس ان کے ایک حکم پر اسے لینے آگئے۔

شدید کوفت کے باوجود اسے مسکرا کر ان کا شکریہ ادا کرنا پڑا' لیکن ان تینوں کو گھر چھوڑنے کے بعد وہ زیادہ دیر رکا نہیں یہ اور بات تھی کہ بڑی خالہ اس کے جانے کے بعد بھی کافی دیر تک اس کی تعریفیں کرتی رہیں۔ رامین اندر ہی اندر تلملاتی بظاہر بے نیاز بنی رہی۔

اگلا پورا دن سفر کی تھکن اتارنے میں گزر گیا اور اس کے اگلے دن وہ خالو اور بھابھی کی مدد سے کمپیوٹر پر سارے کالجز کی معلومات اکٹھی کرنے بیٹھ گئی۔ خالو اسے دو چار ویب سائیٹ بتا کر اٹھ گئے' البتہ بھابھی دلجمعی سے اس کی مدد کرتی رہیں' بڑی خالہ بھی جب کمرے کے سامنے سے گزرتیں تو کوئی نہ کوئی شوشا چھوڑ دیتیں جس پر رامین خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتی۔

"یہاں آگے بڑھنے اور کیریر بنانے کے کئی مواقع ہیں ہم بس اب مستقل طور پر یہیں آجاؤ۔" ان کے مشورے کا پس منظر اس کی جان جلا دیتا۔

کافی معلومات جمع کر لینے کے بعد جب بھابھی بھی اٹھ کر چلی گئیں تب اس نے چاہا شہوز کو بھی ایک ای میل کر دے مگر ایک عجیب سی جھجک آڑے آرہی تھی حالانکہ وہ اسے افشین سمجھ رہا تھا مگر وہ خود تو جانتی تھی نا اور پھر اسے یہ جھوٹ بھی بڑا عجیب لگ رہا تھا۔ کل کو جب اسے پتا چلے گا تو جانے اس کا کیا ردعمل ہوگا اسی کشمکش میں وہ کمپیوٹر آف کر کے اٹھ گئی۔

اسے کینیڈا آئے تیسرا دن تھا جب وہ یونیورسٹی جانے کے لیے ارسلان بھائی کا انتظار کر رہی تھی مگر عین وقت پر انہوں نے اسے اپنے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا کیونکہ انہیں میٹنگ کے لیے اچانک کہیں اور جانا پڑ گیا تھا۔ یونیورسٹی انہیں بالکل الگ روڈ پر تھی۔ بھابھی بھی جاب پر جا چکی تھیں لہٰذا ارسلان بھائی اسے بھابھی کے بھائی محترم کو بلا لینے کا مشورہ دے کر چلے گئے۔ رامین ان کے سامنے تو کچھ نہیں بولی مگر شام میں بھابھی اس کے پاس چلی آئیں۔

"تم نے سہیل کو کیوں نہیں بلایا' وہ تمہیں یونیورسٹی چھوڑ دیتا اس کا آفس اسی طرف ہے۔" اچانک رامین کو احساس ہوا اسے ابھی ان سے کھل کر بات کر لینی چاہیے۔

"بھابھی! آپ لوگ یہ سب کیوں کر رہے ہیں' آپ جانتی ہیں میرا نکاح ہو چکا ہے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو رامین؟" بھابھی کچھ گڑبڑا گئیں۔

"آپ جانتی ہیں' میں کیا کہہ رہی ہوں۔ میں نہیں چاہتی کہ آپ سب کی امیدیں بندھیں اور پھر میرے انکار پر آپ سب کا دل میری طرف سے خراب ہو جائے اس لیے پلیز! آپ لوگ اس بارے میں نہ ہی سوچیں تو اچھا ہوگا۔" رامین کا لہجہ اتنا التجائیہ تھا کہ وہ کچھ چپ سی ہو گئیں پھر شاید انہیں بھی یہی لگا کہ ابھی کھل کر بات کر لینی چاہیے اس لیے کہنے لگیں۔

"جسے تم نکاح کہہ رہی ہو وہ ایک بے وقوفی تھی جو تمہارے دادا جان نے کی۔۔۔"

"بھابھی پلیز! دادا جان کو الزام مت دیں' وہ فیصلہ سب بڑوں کی مرضی سے ہوا تھا۔" رامین نے تڑپ کر ان کی بات کاٹ دی وہ آج بھی دادا جان سے بہت محبت کرتی تھی' اس لیے ان کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ اس بارے میں بات نہیں کرتے لیکن اگر وہ فیصلہ بڑوں کی مرضی سے ہوا تھا تو یہ فیصلہ بھی بڑوں کی مرضی سے ہو رہا ہے۔ تمہارے پاپا سہیل سے مل چکے ہیں اور اس کے بعد ہی تمہیں یہاں بلایا گیا ہے۔" ایک لمحے کے لیے رامین کا پورا وجود سن ہو گیا گویا سب کچھ طے ہو چکا ہے۔ وہ پہلے بھی اس نکاح کو توڑنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی اور اب شہوز سے ملنے کے بعد وہ ایسا سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

اتنے سالوں بعد وہ شہوز سے ملی تھی پھر بھی اسے کسی قسم کی اجنبیت کا احساس نہیں ہوا تھا جس کا سارا کریڈٹ شہوز کو جاتا تھا وہ اس سے اتنے دوستانہ انداز میں ملا تھا کہ رامین جھوٹ بول کر بھی اس سے بات کرنے کے لیے آمادہ ہو گئی تھی' ورنہ اس کے پچھلے

لاپرواروئیے کو دھیان میں رکھتے ہوئے اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ شہروز اتنی اپنائیت کا اظہار بھی کرسکتا ہے اس کا یہ انداز رامین کو بہت اچھا لگا تھا اسے حقیقتاً" شہروز بہت پسند آیا تھا۔

"رامین ہم تم پر اپنی مرضی تھوپ نہیں رہے۔ تم خود سوچو آخر تم کب تک اس طرح بیٹھی رہو گی۔" بھابھی اس کی خاموشی کا کچھ اور مطلب سمجھتے ہوئے اسے رسانیت سے سمجھانے لگیں۔

"تمہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ تمہارے پاپا اور تایا کے بیچ جو کچھ ہوا اس کے بعد تمہارا اس گھر میں بہو بن کر جانا ناممکن ہے۔"

"کیا آپ جانتی ہیں پاپا اور تایا ابو کے بیچ کیا ہوا ہے؟" رامین نے پوچھا۔

"نہیں۔" انہوں نے بغیر کسی توقف کے فوراً" کہا۔

"اور میں جاننا بھی نہیں چاہتی کیونکہ مجھے معلوم ہے ہم ماضی میں ہوئے حادثوں کی کتنی بھی چھان بین کرلیں حقیقت کبھی ہمارے سامنے نہیں آتی۔ اگر تم دو افراد کے درمیان لڑائی کی وجہ پوچھنے نکلو گی تو دونوں ایک ہی بات کو اس طرح بتائیں گے کہ تمہیں ساری غلطی دوسرے کی نظر آئے گی خاندانی دشمنیوں میں بھی تو ہوتا ہے' نسل در نسل والدین اپنی نفرت اولاد میں منتقل کرتے جاتے ہیں' اپنی زیادتیاں وہ چھپا جاتے ہیں اور دوسرے کے مظالم بڑھ چڑھ کر بیان کیے جاتے ہیں۔ اس لیے اگر تمہارا ظرف بڑا ہے تو تم یہ یقین کرلو کہ غلطی تمہارے پاپا کی بھی اتنی ہی ہوگی جتنی تمہارے تایا کی ہے۔ رامین! کوئی بات بڑی نہیں ہوتی لیکن بڑی بن جاتی ہے کیونکہ ہم چھوٹے پن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ایسا ہی ان دونوں کے ساتھ ہوا ہے کئی چھوٹی چھوٹی باتیں جمع ہو کر بہت بڑی بات کا سبب بن گئیں' لیکن اگر ان دونوں میں سے کسی نے بھی بڑا پن دکھایا ہوتا تو وہ تمہارے اور شہروز کی وجہ سے اس جھگڑے کو ختم کرنے کی کوشش کرتا مگر وہ جس طرح خاموش ہیں اس سے صاف ظاہر ہے وہ جھگڑے کی بجائے اس رشتے کو ہی ختم کردینا چاہتے ہیں اور یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ کل کو تمہارے والدین کی لڑائی ہمیشہ تم دونوں کے بیچ تنازعہ کا سبب بنتی رہے گی۔ تم شہروز سے بہت سالوں سے نہیں ملیں لیکن مجھے یقین ہے اگر تم دونوں کا کبھی سامنا ہوا تو تمہیں ایک دوسرے کی پسند ناپسند' شوق اور مشاغل پوچھنے کا خیال بھی نہیں آئے گا اور پہلی سے لے کر آخر تک ساری گفتگو تمہارے والدین کے جھگڑے کے متعلق ہی ہوتی رہے گی۔"

بھابھی کی بات پر وہ انہیں دیکھ کر رہ گئی ان کا انداز بہت پرسکون اور رسانیت سے سمجھانے والا تھا ان کی کئی باتیں رامین کے دل میں ترازو ہوگئی تھیں مگر وہ پھر بھی کسی طرح انہیں جھٹلا دینا چاہتی تھی' بہت سوچنے پر بھی جب کوئی سرا ہاتھ نہیں آیا تو وہ لاجواب سی ہو کر رونے بیٹھ گئی بھابھی اس کے پاس بیٹھ کر اسے سمجھانے لگیں۔ وہ حقیقتاً" بھابھی کے رویے سے بہت متاثر ہوئی تھی۔ وہ بہت سلجھی ہوئی اچھی شخصیت کی مالک تھیں' یقیناً" ان کا پورا گھرانہ ایسا ہی ہوگا تب ہی تو بڑی خالہ اتنی کوششیں کررہی تھیں اگر شہروز کے ساتھ ۔۔۔ اس کا نکاح نہ ہوا ہوتا تو شاید اس کے نظریات اور ترجیحات کچھ اور ہوتیں' یہی بات بھابھی کے منہ سے سن کر وہ ان کی شکل دیکھنے لگی۔

"تمہاری عمر اور تمہارا رشتہ ایسا ہے کہ تمہارا جھکاؤ خود بخود شہروز کی طرف زیادہ ہوگا اور جب تم اس سے ملو گی تو اس کی باتیں سن کر تمہیں یہی لگے گا کہ تمہارے پاپا کی غلطی زیادہ ہے۔" رامین ان کے اتنے صحیح اندازے پر کچھ شرمندہ سی ہوگئی۔

"لیکن اگر تم دل کی بجائے دماغ سے سوچو تو تمہیں اس رشتے کو ختم کردینے میں ہی اپنی بہتری نظر آئے گی۔" کچھ دیر کے لیے ان کے درمیان خاموشی چھا گئی لیکن بھابھی کو اٹھتا دیکھ کر رامین آہستہ آواز میں ایسے بولنے لگی جیسے خود سے بات کررہی ہو۔

"آپ کی باتوں میں بہت گہرائی ہے مگر ان میں سچائی کتنی ہے اس کا انحصار صرف اور صرف آنے والے وقت پر ہے غیب کے بارے میں کوئی نہیں جانتا آج میں شہروز سے علیحدگی اختیار کرلوں یہ سوچ کر کہ اس رشتے کی بنیاد میں کئی جھگڑے اور لڑائیاں دفن ہیں اور کل کو جس شخص سے میری شادی ہو وہ مجھے گیارہ سال تک شہروز کے نکاح میں رہنے کا طعنہ مارتا رہے اور مجھ پر شک کرتا رہے کیا تب بھی مجھے یہی مشورہ دیا جائے گا کہ اس رشتے کو ختم کردینے میں ہی میری بہتری ہے۔ بھابھی جو لوگ پریشانیوں سے گھبرا کر رشتے توڑ دیتے ہیں' وہ ہمیشہ بھاگتے رہتے ہیں ان کی زندگیوں میں کبھی استحکام نہیں ہوتا۔" دادا جان کے منہ سے یہ جملہ سن کر وہ کبھی بہت پریشان ہوگئی تھی مگر آج وہی جملہ دہراتے ہوئے وہ اپنے اندر بہت سکون اور اعتماد محسوس کررہی تھی بھابھی کی شکل سے لگ رہا تھا کہ وہ اسے مزید کچھ سمجھانا چاہتی تھیں تب ہی پاپا کی کال آگئی اور ان سے بات کرکے وہ کافی دلبرداشتہ ہوئی اس نے انہیں کالجز کے بارے میں بتانا چاہا مگر انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی اسے لگ رہا تھا وہ خوا مخواہ اتنی معلومات حاصل کررہی ہے۔ پاپا کا اسے مزید پڑھانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے اور اسی کشمکش میں اس نے شہروز کو ای میل کردیا۔ شدید خواہش کے باوجود وہ اسے بتانہ سکی کہ وہ ہی رامین ہے پتا نہیں کیوں خود کو افشین کے طور پر متعارف کرانے کے بعد اسے شہروز سے رابطہ کرنا آسان لگ رہا تھا جبکہ رامین کے طور پر بات کرنے میں عجیب جھجک سی محسوس ہورہی تھی۔

اس کے ای میل کا شہروز نے فوراً" جواب دیا تھا وہ بھی کافی تفصیلی۔ بلکہ جس طرح اس نے اتنے دن بعد ای میل کرنے پر شکایت کرنے کے بعد شکریہ بھی ادا کیا تھا اس پر رامین کو حیرت کے ساتھ خوشی بھی ہوئی تھی۔ شہروز نے اس سے باقی گھر والوں کی تفصیل پوچھنے کے ساتھ شازیہ' عمر' امان اور عائشہ کے بارے میں بھی ایک ایک بات لکھی تھی اور یہ سب پڑھ کر اس کا دل چاہ رہا تھا وہ واپس وہیں چلی جائے۔ وہ سب اب بھی ویسے ہی تھے۔ آپس میں ہنسی مذاق کرتے' لڑتے جھگڑتے وہ بالکل بھی بڑے نہیں ہوئے تھے اور اس وقت رامین کو واقعی بہت شرمندگی ہوئی جب شہروز نے بتایا کہ اتنا کچھ ہونے کے باوجود جب پھوپھی جان کا انتقال ہوا تب سب کو یقین تھا کہ اب عمر وغیرہ کی خاطر تم سب ایک بار گھر ضرور آؤ گی۔ جانے والا تو چلا جاتا ہے لیکن پیچھے رہ جانے والوں کے دکھ بانٹنے اپنے ہی آگے بڑھتے ہیں۔ اگر تم لوگ اس وقت آجاتے تو شاید کئی غلط فہمیاں بھی دور ہوجاتیں کم از کم باقی سب تم تینوں اور چچی جان سے بدگمان نہ ہوتے مگر تم سب کی خاموشی نے پورے گھر کو بہت تکلیف پہنچائی تھی اس کے کچھ عرصے بعد پتا چلا تم لوگ لاہور تک آکر واپس چلے گئے' تب پہلی بار امی (تائی امی) نے بھی کہا کہ کوئی ضرورت نہیں ان لوگوں سے تعلق رکھنے کی۔

رامین نے بغیر کوئی صفائی دیئے' واضح الفاظوں میں اپنی اور گھر والوں کی غلطی کا اعتراف کرلیا' بھلے ہی تایا ابو سے تعلقات کشیدہ ہوگئے تھے مگر انہیں عمر وغیرہ کے پاس جانا چاہیے تھا اس بات کا انہیں اس وقت بھی احساس تھا مگر وہ پاپا کے سامنے ایسی کسی خواہش کا اظہار نہیں کرسکے۔ اس نے عمر وغیرہ سے بات کرنے اور معافی مانگنے کا ارادہ ظاہر کیا تو شہروز نے اسے فی الحال ایسا کوئی قدم اٹھانے سے روک دیا۔

"کیوں۔" وہ چیٹنگ میں اس سے پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"اس وقت الفاظ وہ اثر نہیں دکھا سکتے' جو تم لوگوں سے مل کر ہوسکتا ہے وہ فون پر نہیں ہوسکتا۔ تم سب کسی طرح کراچی آجاؤ آدھے گلے شکوے تم سب کو دیکھ کر ہی ڈھل جائیں گے۔"

"امی کے لیے یہ قدم اٹھانا اتنا آسان نہیں۔ پاپا سے اجازت لینے کے علاوہ اب یہ امی کے لیے بھی انا کا مسئلہ بن گیا ہے۔" رامین نے نہایت صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

"اس ملاقات کو حادثے کی شکل بھی دی جاسکتی ہے۔"

"کیسے؟" رامین متجسس ہوگئی۔

"تم، رامین اور شازیہ جس اسکول میں پڑھتے تھے اس اسکول میں اگلے مہینے ایک گرینڈ فنکشن ہے اسکول کی پچاسویں سالگرہ بھی ہے اور اسکول کو بورڈ کی کلاسز شروع کرنے کی اجازت مل گئی ہے، چنانچہ ان ایکس اسٹوڈنٹس کو خاص طور پر مدعو کیا گیا ہے جو آگے کلاسز نہ ہونے کی وجہ سے اسکول چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ شازیہ اسی اسکول میں ٹیچر ہے اس کے توسط سے تمہیں اور رامین کو آرام سے انویٹیشن مل جائے گا اگر تم چچی جان کو لانے کا وعدہ کرو تو اپنی امی کو رضامند کرنے کی ذمہ داری میری۔" رامین کے جسم میں سنسناہٹ دوڑ گئی وہ دوبارہ اسکول جانے کا موقع ملنے کے خیال سے ہی پرجوش ہو گئی اتنی تفصیل میں کون جا رہا تھا کہ اس نے دسویں کا امتحان دینے سے پہلے اسکول چھوڑا تھا یا بعد میں اور یہی بات جب شہروز نے لکھی تو رامین جو خوشی میں یہ بھول گئی تھی کہ وہ افشین ہے فوراً" سنبھل گئی۔

"رامین آپی کو لانا کوئی مشکل کام نہیں اور میں خود بھی تو آؤں گی کیا ہوا جو دسویں تک نہیں پڑھا۔ کلاس سیونتھ تک تو میں وہیں تھی۔"

"اپنی آپی کے لیے اتنی خوش فہم مت بنو اگر اسے بھنک بھی پڑ گئی کہ وہاں اس کی ملاقات ہم سب سے ہو سکتی ہے تو وہ ہرگز نہیں آئے گی۔" شہروز کی بات اسے الجھن میں مبتلا کر گئی۔

"آپ ایسا کیوں سوچ رہے ہیں؟"

"تو اور کیا سوچوں۔ جب تم لوگ کراچی سے جا رہے تھے تب شازیہ نے اسے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ میں آسٹریلیا سے ایک ہفتے بعد آنے والا ہوں مگر اس نے پھر بھی رکنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ حالانکہ شازیہ کے ساتھ اس کے اسکول آکر میں اس سے مل سکتا تھا اور میں آیا بھی تھا شاید وہ اسی لیے نہیں آئی تاکہ مجھے نہ دیکھنا پڑے۔" رامین کو اس کی بات پر بیک وقت ہنسی بھی آئی اور غصہ بھی مگر وہ ان دونوں کیفیتوں کو چھپا کر بڑے ہی عام سے انداز میں پوچھنے لگی۔

"کیا آپ اتنے ڈراؤنے ہیں کہ وہ آپ کو دیکھنے سے گھبرا رہی تھیں اور بھاگ کر لاہور چلی گئیں۔ آپ کو لگتا ہے لاہور جانے کا فیصلہ ان کا اپنا تھا۔"

"جس طرح وہ شادی پر مجبوراً" راضی ہوئی تھی اس سے تو ایسا ہی لگتا ہے۔" رامین ایک لمحے کے لیے سن ہو گئی۔ کی بورڈ پر اس کی انگلیوں نے جیسے چلنے سے انکار کر دیا دوسری طرف شہروز کا جواب اسکرین پر ابھرنے لگا۔

"جب ہمارا نکاح ہو رہا تھا تب اس نے ایسی شکل بنا رکھی تھی کہ مردے بھی ڈر جائیں اور جس دن میں آسٹریلیا جا رہا تھا اسی رات میں اس کے کمرے میں آیا تھا۔ شازیہ کو اٹھانے کی ہر کوشش ناکام ہو گئی تو میں کمرے سے واپس لوٹ گیا تب بھی تمہاری آپی کمرے کے ایک کونے میں ایسے کھڑی رہیں جیسے مجھ سے بات کی تو بہت — بڑا گناہ سرزد ہو جائے گا اور صبح امی نے ایئرپورٹ جانے سے پہلے اسے جگایا مگر وہ تب بھی نہیں اٹھی بقول شازیہ کے اس کے کمرے کے دروازے کا ہینڈل بھی گھما دو تو وہ اٹھ جاتی ہے۔ چلو میں ان باتوں کو نظرانداز کر بھی دوں مگر کچھ سالوں پہلے ہی شازیہ نے بتایا تھا کہ وہ اس شادی کے لیے راضی نہیں تھی۔" رامین بمشکل حواس مجتمع کر کے اپنی انگلیوں کو حرکت دینے لگی۔

"شازیہ آپی نے انکار کی وجہ نہیں بتائی آپ کو۔"

"ہاں کچھ بتا تو رہی تھی کہ میں نے کبھی کہا تھا کہ آج شادی کر لیتا ہوں کل چھوڑ دوں گا وغیرہ۔ مجھے تو یاد ہی نہیں کہ میں نے ایسا کچھ کہا تھا ہاں یہ سچ ہے کہ میں اس وقت شادی کے بندھن میں بندھنا نہیں چاہتا تھا مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں تھا جو رامین نے نکال لیا۔" رامین کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ دوڑ گئی اسے اپنے اندر ڈھیروں اطمینان اترتا محسوس ہوا مگر اس نے شہروز کو مطمئن کرنے کی کوشش نہیں کی بس سرسری سے انداز میں لکھ دیا۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہوگی۔"

"کیا پتا۔ ویسے وہ میرے بارے میں کوئی بات کرتی ہے۔ میرا مطلب ہے کیا تم نے اسے بتایا کہ تم مجھ سے ملی تھیں۔" اس کے سوال پر رامین ہونٹ کاٹنے لگی جب اسے یہ سچ پتا چلے گا کہ وہ افشین نہیں رامین ہے تو اس کا کیا ردعمل ہو گا؟

"تمہاری خاموشی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ہمارے درمیان بندھے اس رشتے کو بھول چکی ہے۔"

"ایسی ہی کچھ شکایتیں انہیں بھی آپ سے ہیں، ویسے وہ آپ کے بارے میں زیادہ بات نہیں کرتیں ان کے خیالات جاننا کافی مشکل ہے۔" بہت سوچ کر رامین نے کچھ مبہم سا جواب دیا۔

"اچھا وہ دیکھنے میں کیسی لگتی ہے۔" شہروز کا سوالنامہ مشکل ترین ہوتا جا رہا تھا۔ ایک عجیب سی گھبراہٹ نے اس کا احاطہ کر لیا۔ اس کا یہ جھوٹ آگے جا کر کوئی سنجیدہ صورت اختیار نہ کر لے۔ شہروز اس سے رامین کی کوئی تصویر بھیجنے کی فرمائش کرنے لگا۔

"فرض کریں میں آپ کو تصویر بھیجوں اور رامین آپی آپ کو پسند نہ آئیں تو آپ کیا کریں گے۔"

"تم تو مجھے ڈرا رہی ہو۔ رامین جتنی بدصورت بچپن میں تھی کیا اب اس سے زیادہ بدصورت ہو گئی ہے جو تم ٹال مٹول کر رہی ہو۔" شہروز کا انداز سراسر مزاحیہ تھا، کیونکہ اس کا شمار شروع سے ہی بہت حسین لڑکیوں میں ہوتا تھا، مگر اس کے سوال پر رامین ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہو گئی۔

"چلیں یہی سمجھ لیں۔ کیا تب بھی آپ دونوں گھرانوں کی دشمنی ختم کرنے میں انٹرسٹڈ ہوں گے یا موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے رامین آپی سے چھٹکارا پا لیں گے؟" اس کے سوال کا شہروز نے کچھ دیر تک جواب نہیں دیا اور یہ کچھ لمحے رامین کو صدیوں پر حاوی لگ رہے تھے۔

"میرے پاپا سے مذاق کچھ سنجیدہ ہو گیا ہے اس لیے اسے یہیں ختم کر دیتے ہیں۔ تم اب جلدی سے کینیڈا سے واپس آجاؤ، چچی جان اور رامین کو کراچی لانے کے لیے رضامند کرنے میں بھی کچھ ٹائم تو لگے گا ویسے بھی تم کینیڈا میں کر کیا رہی ہو تمہاری پڑھائی تو قطر میں ہو رہی ہے کیا کالج بند ہے۔" شہروز کے موضوع بدل دینے پر وہ گہرا سانس کھینچ کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

اس کا کینیڈا سے اتنی جلدی واپس آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا مگر پاپا نے خود ہی واپس آنے کا حکم صادر کر دیا وجہ وہ بخوبی جانتی تھی بھابھی کے بھائی محترم سہیل سے جو گفتگو ہوئی تھی اس کے بعد یقیناً" اس کا انکار ان تک پہنچ گیا ہو گا۔ سہیل بھابھی کے پاس کسی کام سے آیا تھا وہ سٹنگ روم میں اکیلی بیٹھی تھی جب اس نے صرف اتنا کہا۔

"مجھے ایسا کیوں لگتا ہے کہ آپ کو میرا آنا پسند نہیں۔" رامین نے کچھ حیرانی سے اسے دیکھا تھا وہ اچھا خاصا معقول بندہ تھا اس وقت بھی اس کے چہرے پر کافی سنجیدگی تھی جسے محسوس کر کے رامین نے اس سے دوٹوک بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"دراصل مجھے آپ کو دیکھ کر یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ مجھے یہاں آپ کو دکھانے کے لیے بھیجا گیا ہے ورنہ اپنے طور پر تو میں یہاں صرف پڑھنے آئی تھی اگر مجھے کسی اور ارادے کا پتا ہوتا تو میں یہاں کبھی نہ آتی۔" کچھ دیر وہ اسے ایسے دیکھتا رہا جیسے اس کی صاف گوئی پر حیران ہو رہا ہو، پھر ایک دم ہی وہ مسکرا دیا۔

"مجھے اچھا لگا آپ نے ابھی ساری بات کلیئر کر دی۔ ایک بات میں بھی کلیئر کر دوں آپ جو کالجز کی معلومات کرنے کے لیے بھاگ دوڑ کر رہی ہیں اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ آپ کو آگے پڑھانے کے حق میں کوئی بھی نہیں ہے۔" وہ کہتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ رامین جانتی تھی اب وہ انکار کر دے گا اسے سہیل سے حقیقت بیان کر کے بڑا سکون محسوس ہوا تھا شہروز سے جھوٹ بول کر وہ جان گئی تھی کہ سچ کا سامنا کرنا ایک بار مشکل ہوتا ہے لیکن اس کے بعد سب آسان ہو جاتا ہے۔

پاپا نے جس سرد لہجے میں اسے واپس آنے کے لیے کہا تھا اس کی چھٹی حس کسی خطرے کا احساس

دلانے لگی۔ وہ ضرور خلع کے کاغذات تیار کرا رہے ہوں گے اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ ان کی طرف سے ایسا کوئی بھی نوٹس تایا ابو کے گھر پہنچے وہ سوچ رہی تھی گھر نہ جانے کا کیا بہانہ بنائے مگر اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔ ماموں کی بیٹی کی منگنی طے ہو گئی تو امی پاکستان پہنچ گئیں اور اسے بھی پاکستان جانے کی ایک ٹھوس وجہ مل گئی۔ اس نے واپس جانے سے پہلے آسٹریلیا میں شہروز کو اطلاع کر دی تھی اس لیے پاکستان پہنچنے کے کچھ دن بعد ہی اسے اسکول کی پرنسپل کی طرف سے انوٹیشن کارڈ مل گیا۔ وہ حقیقتاً" اس فنکشن میں جانے کے لیے بے چین تھی۔ اپنا اسکول دیکھنے کی خواہش اتنی شدید تھی کہ وہ امی کے سر ہو گئی ماموں نے سنتے ہی "تمہیں ضرور جانا چاہیے" کہہ کر اس کا کیس مضبوط کر دیا تھا چنانچہ امی ہچکچاہٹ کے باوجود تیار ہو گئیں البتہ انہوں نے حیرت کا اظہار ضرور کیا۔

"ان کے پاس تمہارا لاہور کا ایڈریس کہاں سے آیا؟"

"پاپا نے ہی اسکول چھوڑنے سے پہلے لکھوایا تھا۔" رامین نے جھوٹ نہیں بولا تھا یہ اور بات تھی کہ پرنسپل صاحبہ کو رجسٹر کھنگالنے کی ضرورت نہیں پڑی ہو گی' شازیہ نے خود ہی اس کا پتا دے دیا ہو گا۔ پرنسپل صاحبہ نے کارڈ کے ساتھ ارسال کردہ خط میں لکھا تھا "بہت سارے ایکس اسٹوڈینٹس سے رابطہ نہیں ہو پا رہا ان میں بھی ایسی لڑکیاں کم ہیں جنہوں نے شروع سے دسویں تک یہیں پڑھا ہو لہٰذا تمہیں ہر حال میں پہنچنا ہے۔"

افشین' عامر اور پاپا تینوں ہی منگنی میں نہیں آئے تھے۔ ان دونوں کی کلاسز تھیں اور پاپا کو بزنس سے فرصت نہیں تھی اور نہ ہی منگنی کوئی اتنے بڑے پیمانے پر کی گئی تھی کہ سب کا شریک ہونا ضروری ہو۔ پاپا کے یہاں نہ ہونے کی وجہ سے امی اور وہ ماموں کے ساتھ کراچی آ گئے اور ایک ہوٹل میں ٹھہر گئے۔ کل فنکشن اٹینڈ کر کے وہ رات کو ہی یہاں سے جانے والے تھے۔

"اپنا خود کا گھر ہوتے ہوئے ہوٹل میں ٹھہرنا کتنا عجیب لگتا ہے نا۔" امی نے کمرے پر طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے ملول لہجے میں کہا۔ رامین بیگ میں سے اپنے کپڑے نکال رہی تھی۔ اسے لگا امی کی بات سن کر ماموں نے بہت غور سے اس کی طرف دیکھا ہو۔ وہ منظر سے ہٹنے کے لیے نہانے چلی گئی۔ یہ سچ تھا کہ اتنے سال بعد اس شہر میں آ کر ان دونوں کے احساسات عجیب سے ہو گئے تھے۔

"جب یہاں تک آ گئی ہو تو ایک بار گھر بھی چلی جاؤ۔" باتھ روم کا دروازہ بند کر لینے کے بعد بھی اسے ماموں کی آواز صاف سنائی دی تھی۔

"اتنے سال ہو گئے ہیں اور..... پھر انہیں بھی اچھا نہیں لگے گا۔" امی کا اشارہ پاپا کی طرف تھا۔ ان کی آواز میں برسوں کی تھکن بول رہی تھی۔

"کسی کو تو پہل کرنی ہو گی۔ رامین کا نکاح نہ ہوا ہوتا تو بات اور تھی مگر اب ....." ماموں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ رامین امی کا جواب سننے کی شدت سے منتظر تھی مگر ان کے پاس شاید الفاظ ہی نہیں تھے تب ہی اسے دروازہ کھلنے کی آواز آئی شاید ماموں کہیں جا رہے تھے باہر نکلنے سے پہلے ان کی مایوسی بھری آواز ابھری۔

"بہت بڑی بے وقوفی کی تھی تم لوگوں نے اس وقت نکاح کر کے۔"

☼ ☼ ☼

وہ لوگ اس خیال سے وقت سے پہلے ہی ہوٹل سے نکل گئے کہ شاید اسکول ڈھونڈنے میں انہیں وقت ہو مگر ٹیکسی ڈرائیور نے انہیں پندرہ منٹ بعد ہی مطلوبہ جگہ پر اتار دیا۔ اسکول پر نظر پڑتے ہی رامین کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ سارے راستے وہ خود پر ضبط کرتی آئی تھی' جانی پہچانی مانوس سی سڑکیں دیکھ کر کبھی اسے لگتا ہر چیز وہی کی وہی ہے اور کبھی ایسا محسوس ہوتا کہ سب کچھ بالکل بدل گیا ہے۔ اسکول کی عمارت میں واضح تبدیلی آئی تھی گراؤنڈ کا حصہ کم کر کے مزید

کلاسز بنا دی گئی تھیں' جو گیٹ کھلا ہونے کی وجہ سے صاف دکھائی دے رہی تھیں ابھی تک اسکول کی مس بھی جمع نہیں ہوئی تھیں' البتہ ایک دو لڑکیاں وہی یونیفارم زیب تن کیے ادھر سے ادھر آتی جاتی نظر آ رہی تھیں رامین کا دل پھوٹ پھوٹ کر رونے کو چاہ رہا تھا۔ وہ رخ موڑ کر جیسے خود پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی کہ تب ہی اس کی نظر سامنے بنی دیوار کی طرف اٹھ گئی فیکٹری کی وہ دیوار پہلے سے بھی زیادہ خستہ حالت میں جوں کی توں موجود تھی اس پر بنے وہی پرانے نشانات اس بات کے گواہ تھے کہ وہاں ابھی تک وہی پینٹ موجود ہے جو اس وقت ہوا کرتا تھا۔ وہ ماموں اور امی کو یکسر فراموش کر کے دیوار کی جانب بڑھ گئی۔ کئی نئی تحریروں کے ساتھ وہ پرانے نشانات بھی موجود تھے وہی کھوپڑی کے اوپر کراس بنا ہوا تھا۔ عالیہ کا لکھا وہ جملہ ہلکا ہو جانے کے باوجود پڑھا جا سکتا تھا "مجھے بھولنا نہیں!" وہ ہنس بھی رہی تھی اور رو بھی رہی تھی تب ہی اس کی نظر اپنے لکھے شعر پر پڑی اور جیسے پلٹنا بھول گئی اس نے بلیک مار کر سے جو لکھا تھا اس کے نیچے سلیٹی رنگ سے کچھ اور بھی لکھا ہوا تھا جیسے کسی نے بھر بھرے پتھر کو چاک کے طور پر استعمال کر کے اس کا شعر مکمل کر دیا۔

ٹوٹ سکتے ہیں بس ایک لمحے میں رشتے سارے
یہی ایک آسانی تو سب سے بڑی دشواری ہے

رامین بے یقینی کے عالم میں ساکت کھڑی کتنی دیر تک اس شعر کو پڑھتی رہی' آخر ماموں اسے آوازیں دینا بند کر کے قریب آ کر اس کا کندھا ہلانے پر مجبور ہو گئے۔

"اندر نہیں جانا ہے کیا۔" رامین نے خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھا اور مشینی انداز میں ان کے ساتھ چل پڑی۔ پرنسپل صاحبہ سے ملنے سے لے کر فنکشن شروع ہونے تک وہ اتنی بار رو چکی تھی کہ شازیہ پر نظر پڑتے ہی وہ کسی خوشی کا اظہار نہ کر سکی بلکہ شازیہ دونوں ہاتھ منہ پر رکھ کر اپنے مخصوص انداز میں چیخ روکتی اس کی طرف بڑھی اور آ کر اس کے گلے لگ گئی۔ رامین کو رونے سے فرصت ملتی تو وہ سنتی کہ شازیہ کیا بول رہی ہے ماموں اور امی بھی اسے پہچان کر اس کے پاس آ گئے تھے۔ اسے گلے لگاتے وقت امی بھی آبدیدہ ہو گئی تھیں بہت دیر بعد کہیں جا کر وہ اس جذباتی بہاؤ سے نکلے تو شازیہ تیزی سے انہیں کھینچتی ایک جانب لے گئی' جہاں تائی امی ایک کرسی پر بیٹھی تھیں حالانکہ وہ پہلے سے بہت کمزور اور ضعیف ہو گئی تھیں مگر وہ ان پر نظر پڑتے ہی انہیں پہچان گئے پہچان تو وہ بھی گئی تھیں مگر بے یقینی ان کی آنکھوں سے عیاں تھی' آخر شازیہ نے انہیں جھنجھوڑا تب انہیں ہوش آیا۔ امی سے ملنے کے بعد انہوں نے اپنے اسی شفقت بھرے انداز میں اسے خود سے لگا لیا۔ رامین میں تو اب کھڑے رہنے کی بھی ہمت نہیں تھی۔ اس کا پورا وجود کانپ رہا تھا وہ صرف سلام کر سکی تھی اور اس سے کوئی بات نہیں کی جا رہی تھی۔ بلکہ اس سے یہ بھی نہیں سنا جا رہا تھا کہ وہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں اس کی حالت کے پیش نظر اسے کرسی پر بٹھا کر شازیہ اس کے لیے کولڈ ڈرنک لے آئی۔

"خود کو سنبھالو یار۔ تم تو ابھی بھی بالکل ویسی ہو جو ایگزامز کے وقت رو رو کر ہلکان ہو جاتی تھی اور چچی جان کہہ رہی ہیں تم ڈاکٹر بن گئی ہو یہ کارنامہ کیسے انجام دے دیا تم نے۔" ٹھنڈی کوک کے دو چار سپ لے کر وہ خود کو کافی بہتر محسوس کرنے لگی' مگر اس سے پہلے کہ وہ شازیہ سے کوئی بات کرتی وہ بول پڑی۔

"تم امی سے باتیں کرو' میں ذرا اپنے اسٹوڈینٹس کو دیکھ لوں انہیں اسٹیج پر پرفارم کرنا ہے۔ تم اپنی اسپیچ لائی ہو پرانے اسٹوڈنٹ بھی اسٹیج پر آ کر اپنے خیالات کا اظہار کریں گے۔ مگر میرے خیال سے تم اس پوزیشن میں نہیں ہو ویسے بہت ساری لڑکیاں آئی ہیں ہماری کلاس کے علاوہ' ہماری سینئرز بھی موجود ہیں ہمارے وقت کی ٹیچرز کافی چلی گئیں' مگر تمہاری فیورٹ مس سلطانہ ابھی بھی ہیں۔ اوہ گاڈ! کتنی باتیں ہیں جو تم سے کرنی ہیں بھائی نے جب تمہارا لاہور کا ایڈریس دے کر تمہیں انوائیٹ کرنے کے لیے کہا تو مجھے بالکل

بھی امید نہیں تھی تمہارے آنے کی۔ افشین کو کیوں نہیں لائیں؟ عامر کیسا ہے اچھا میں آتی ہوں۔" شازیہ کا ردعمل بھی شہوز جیسا تھا۔ اس کے چلے جانے پر وہ تائی کو دیکھنے لگی۔

"ارے میں تو آ بھی نہیں رہی تھی پرنسپل صاحبہ نے بلایا ہے تو کوئی ضروری تو نہیں ہے کہ ہم پہنچ جائیں، مگر شہوز نے فون پر کہا شازیہ نے اتنی محنت سے اسٹوڈینٹس کی تیاری کرائی ہے کسی کو تو جانا چاہیے اب کم از کم آپ ہی چلی جائیں۔ مگر اللہ کا شکر ہے کہ میں آ گئی اس بہانے تم سے ملاقات تو ہو گئی، ورنہ تم میرے مرنے پر بھی نہ آتیں جیسے نرگس (پھوپھی) کی موت پر نہیں آئی تھیں۔" امی ان کی بات پر خود بھی آبدیدہ ہو کر ان کا ذکر کرنے لگیں۔ وہ کبھی ایک دوسرے سے شکایتیں کرنے لگتیں اور کبھی اپنی صفائیاں دینے لگتیں۔

"لوگوں کے گھروں میں بہوئیں لڑتی ہیں اور بھائیوں کو چھڑا لیتی ہیں لیکن ہمارے ہاں الٹا ہے۔" تائی امی تاسف سے بولیں۔

"سچ پوچھیں تو میں بھی اس گھر میں قدم نہیں رکھنا چاہتی جس گھر میں ان پر چوری کا الزام۔۔۔۔" امی گلوگیر آواز میں بولنے لگیں کہ تائی امی نے ان کی بات کاٹ دی۔

"ہم نے کب الزام لگایا آج تک یہ بات گھر سے باہر نہیں نکلی کہ دونوں بھائیوں میں لڑائی کس بات پر ہوئی تھی، تمہارے بھائی صاحب نے مجھے بھی نہیں بتایا تھا وہ تو حالات ایسے ہو گئے کہ شہوز اور عمر کو آفس سنبھالنا پڑا تب آفس کے لوگوں سے انہیں سچائی کا پتا چلا۔ میں یہ نہیں کہہ رہی کہ تمہارے بھائی صاحب کی کوئی غلطی نہیں، میں جانتی ہوں وہ ہٹ دھرمی کی حد تک خود پرست ہیں، شہوز تک ان کے رویے پر زچ ہو جاتا ہے۔ بزنس میں وہ کسی کی سنتے ہی نہیں۔ اپنے غلط فیصلے پر بھی اڑے رہتے ہیں اور جب ان کے فیصلے کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑتا ہے تب بھی شرمندہ نہیں ہوتے۔ شہوز نے بھی ایک بار کہا تھا ڈیڈی کے ساتھ کام کرتے کرتے چچا جان کی عزت نفس کو بہت ٹھیس پہنچتی ہو گی تب ہی وہ ایک دن بہت سارا پیسہ لے کر یہاں سے دور چلے گئے، انہیں معلوم تھا کہ بزنس الگ کرنا ممکن نہیں، سو انہیں اپنے مسئلے کا یہی حل سمجھ میں آیا ہو گا۔ مگر زبیدہ ہمارے بیچ ایک رشتہ اور بھی ہے وہ کوئی منگنی نہیں تھی جسے توڑا جا سکے۔" رامین سانس روکے تائی امی کی بات سن رہی تھی۔

"میں تو سمجھتی تھی آپ بھول گئے ہیں اس نکاح کو۔" امی کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو زبیدہ۔ تمہارے بھائی صاحب تو کئی بار رخصتی کے لیے کہہ چکے ہیں ناراضگی اپنی جگہ، لیکن رامین ہمیں آج بھی اتنی ہی عزیز ہے۔" تائی امی کی بات پر ماموں بھی چونک کر بیچ میں بولنے پر مجبور ہو گئے۔

"لیکن ہم نے تو سنا ہے آپ سب شہوز کی شادی اس کی پھوپھی کی بیٹی سے کرنے کا سوچ رہے ہیں۔" رامین ہونق بنی ان کی باتیں سن رہی تھی۔

"خدا کا خوف کریں بھائی صاحب۔ عائشہ تو بچی ہے زمین آسمان کا فرق ہے ان کی عمروں میں کس نے کہی یہ بات آپ سے؟ عابد نے، وہ رامین کا رشتہ دینا نہیں چاہتا اس لیے ایسی باتیں کر رہا ہے رامین کے لیے اس نے کینیڈا میں مقیم تمہاری خالہ زاد بہن کا کوئی رشتے دار دیکھ لیا ہے اور اب خلع کا مطالبہ۔۔۔۔"

"خلع! آپ نے سوچ بھی کیسے لیا کہ ہم ایسا مطالبہ کر سکتے ہیں؟" امی جانے کیا کیا کہنا چاہ رہی تھیں کہ رامین پر نظر پڑتے ہی ان کی آواز حلق میں اٹک گئی وہ آنکھ کے اشارے سے انہیں چپ رہنے کے لیے کہہ رہی تھی گویا تائی امی کی بات کی تصدیق کر دی تھی امی اسے ایسے دیکھ رہی تھیں جیسے اس کے اب تک نہ بتانے پر حیرت ہو رہی ہو ماموں اور تائی امی اب بھی ایسی ہی باتیں کر رہے تھے جو ایک کے علم میں تھیں اور دوسرے کے نہیں۔

"شہوز نے ٹھیک ہی کہا تھا ہمارے بیچ کمیونیکیشن گیپ بہت بڑھ گیا ہے۔" رامین سوچے بغیر نہ رہ سکی۔

"کوٹھی بکے یا نہ بکے۔ وہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے مگر خلع کی بات کر کے عابد نے انتہا کر دی ہے۔ اب کیا بیٹی کو کورٹ لے کر جائے گا اور پھر ہماری بھی تو بیٹیاں ہیں ان کی سسرال پر کتنا برا اثر پڑے گا، بدنامی تو پورے خاندان کی ہو گی اگر آپ لوگ رخصتی کے لیے تیار ہیں تو ہمارا گھر ہے آپ بارات لے کر لاہور آ جائیں، اگر عابد مان جاتا ہے تو ٹھیک، ورنہ یہ فرض اس کے بغیر بھی ادا ہو سکتا ہے۔" ماموں خلع کی بات سن کر طیش میں آ گئے تھے۔

"یہ۔۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" امی گڑبڑا کر بولیں۔

"زبیدہ! تمہارے بھائی صاحب بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں ایک طرف بیٹھ کر ہم نے بہت تماشا دیکھ لیا، وہ دونوں جو چاہتے ہیں ہمیں آ کر بتا دیتے ہیں اور ہمیں پتا ہی نہیں چلتا کہ درست کون ہے، انہیں لڑنا ہے تو لڑتے رہیں بھلے ہی ایک دوسرے کی شکل نہ دیکھیں لیکن رامین کو طلاق کسی قیمت پر نہیں ہو گی پہلے خود ہی نکاح کیا اور اب خود ہی۔۔۔۔ کوئی مذاق ہے کیا۔" شہوز کے ساتھ عائشہ کا نام سن کر انہیں بہت برا دھچکا لگا تھا ان بن ماں باپ کے بچوں کی پرورش انہوں نے بغیر کسی لالچ کے کی تھی، ایسی بات کہنے والے نے گویا ان کی بے لوث محبت کو ان کی غرض میں بدل دیا تھا۔

"آپ ابھی ہمارے ساتھ گھر چلیں۔" تائی امی فوراً بولیں۔

"نہیں بھابھی انہیں پتا چلے گا تو۔۔۔۔" امی ہچکچا گئیں۔ تائی امی نے بہت اصرار کیا مگر امی کسی طور نہ مانیں۔ خود رامین کو پاپا کی غیر موجودگی میں اتنا بڑا قدم اٹھاتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا اس سے پہلے کہ وہ ماموں کو قائل کر کے گھر چلنے کے لیے تیار کر لیتیں، انہوں نے وہاں سے اٹھ جانے میں ہی بہتری سمجھی شازیہ نے جب ان کے جانے کا سنا تو پہلے تو انہیں روکنے کی کوشش کرنے لگی مگر خود اس کے پاس بھی اصرار کا وقت نہیں تھا لہٰذا انہیں گیٹ تک چھوڑنے آ گئی۔ اس کی زبان ایک رفتار سے چل رہی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا ان گزرے آٹھ سال کی ساری باتیں کیسے آٹھ منٹ میں اس کے گوش گزار کر دے، وہ لوگ اسکول کے باہر ٹیکسی کے انتظار میں کھڑے تھے جب رامین نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"تمہیں معلوم ہے وہ سامنے دیوار پر کس نے شعر لکھا ہے؟" رامین نے سوال نہیں کیا تھا بلکہ وہ اسے بتا رہی تھی کہ شازیہ بول پڑی۔

"پہلے مصرعے کا تو پتا نہیں، البتہ دوسرا مصرعہ شہوز بھائی نے لکھا ہے۔" رامین نے حیرانی سے شازیہ کو دیکھا جس کی زبان دوبارہ چلنی شروع ہو گئی تھی۔

✲ ✲ ✲

ہوٹل پہنچ کر رامین نے خلع سے لے کر کینیڈا جانے تک کی ساری بات امی کو تفصیل سے بتا دی اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا۔

"میں نے آپ کو اس لیے نہیں بتایا کہ آپ کو دکھ ہو گا، ویسے بھی آپ جان کر کیا کرتیں، ہو گا تو وہی جو پاپا چاہتے ہیں۔" امی کے چہرے پر گہرے دکھ کے تاثرات دیکھ کر بھی وہ انہیں تسلی نہ دے سکی مگر شام میں اچانک تایا ابو نے ہوٹل آ کر انہیں حیران کر دیا۔ وہ اکیلے نہیں آئے تھے ان کے پیچھے پورے کے پورے گھر کو کھڑا دیکھ کر رامین کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ بہت لمبے جذباتی مکالموں سے گزرنے کے بعد رامین کو عمر، امان اور عائشہ سے معذرت کا خیال آیا۔

"تم اس بارے میں بات نہ ہی کرو تو اچھا ہے تمہاری کوئی معذرت اس تکلیف کو کم نہیں کر سکتی، جو اس وقت تم لوگوں کی بیگانگی سے ہمیں پہنچی تھی مگر میں لکیر کا فقیر بننے کا قائل نہیں، شاید وہ حالات ہی ایسے تھے کہ تم لوگ کوئی رابطہ نہ کر سکے۔" عمر کے سنجیدہ انداز پر وہ مزید شرمندہ ہو گئی۔

"ہاں چھوڑیں ان تکلیف دہ باتوں کو، آپ یہ بتائیں ہم میں کوئی فرق لگا۔" امان نے بات بدلتے ہوئے دلچسپی سے پوچھا۔

"بہت زیادہ۔" رامین فوراً بولی امان اور عائشہ

بہت بدل گئے ہیں۔ عمر بھائی ویسے ہی ہیں۔ شازیہ بس تھوڑی دبلی ہو گئی' ورنہ ہے اب بھی ویسی ہی۔" رامین ان سب کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔

"شکر ہے کسی نے تو دبلا کہا اسے۔ یہ خبر تو اخبار میں چھپنی چاہیے۔" عمر اپنے اسی مخصوص لہجے میں بولا۔

"اب اتنی بھی کوئی موٹی نہیں ہوئی ہوں بس تھوڑا سا وزن بڑھ گیا ہے اور اس پر بھی میں نے کافی حد تک کنٹرول کر لیا ہے۔" شازیہ ہمیشہ کی طرح ایک دم غصے میں آ گئی۔

"اب پلیز لڑائی مت شروع کر دیجیے گا' تنگ آ گئے ہیں ہم آپ کے جھگڑوں سے۔" امان نے مداخلت کی۔

"رامین آپی! افشین باجی اور عامر بھائی کیسے ہیں ان کی کوئی تصویر ہے آپ کے پاس؟" عائشہ نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

"میں کوئی ان کا رشتہ ڈھونڈنے نکلی ہوں۔" رامین اس کے سوال پر ہنس پڑی۔

"یہ محترمہ تو گھر کا پورا البم اٹھا لائی ہیں۔" عمر نے شازیہ کی طرف اشارہ کیا۔ سب بڑے دوسرے روم میں بیٹھے تھے اس لیے وہ سب آرام سے باتیں کر رہے تھے۔ یہ کافی بڑا سوئیٹ تھا جس میں وہ ٹھہرے تھے۔

"ہاں تو کچھ غلط تھوڑی کیا۔ اتنے سالوں سے اس نے شہروز بھائی کو دیکھا نہیں۔ وہ پتا نہیں کب آسٹریلیا سے واپس آئیں گے لیکن افسوس مجھے اس بات کا ہے کہ میں کیمرہ رکھنا بھول گئی ورنہ میں رامین کی تصویر بھی انہیں بھیجتی مگر جو بات میرے ذہن سے اتر جائے وہ کوئی اور بھی یاد نہیں رکھ سکتا۔" شازیہ کی بات پر رامین نے سکون کا سانس لیا۔ وہ سوچ رہی تھی شہروز کو اپنے جھوٹ کے بارے میں خود ہی بتانا چاہیے۔ یہ بات اگر اسے کسی اور سے پتا چلی تو اس کا ردعمل بالکل مختلف ہو گا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے تصویر بھیجنے کی' رامین کون سی چھوٹی سی بچی تھی جس کی شکل بدل جائے۔ میں تو کہتا ہوں شہروز اسے کہیں باہر بھی دیکھے گا تو فوراً پہچان لے گا۔" عمر یقین سے بولا۔

"میرے خیال سے رامین آپی کافی بدل گئی ہیں وہ پہلے سے زیادہ پیاری ہو گئی ہیں۔" عائشہ کے بے ساختہ انداز پر وہ جھینپ گئی۔

"اور شہروز بھائی کا تو پوچھو مت وہ......"

"ہاں ہاں کوئی نہیں پوچھ رہا کوئی ضرورت نہیں ہے بتانے کی۔" شازیہ بڑے ہی جوش کے عالم میں بولنے جا رہی تھی کہ عمر نے اس کی بات کاٹ دی سب بے اختیار ہنس دیے۔ ان سب سے اتنے سالوں بعد مل کر بھی اسے اجنبیت کا احساس نہیں ہوا تھا۔ وہ سب ویسے ہی تھے اسے شدت سے افشین اور عامر کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔ ان کے انگیز امزنہ ہونے والے ہوتے تو وہ ان دونوں کو ضرور بلا لیتی مگر پاپا نے انہیں ماموں کی بیٹی کی منگنی میں جانے کی اجازت نہیں دی تھی تو یہ اسکول کا فنکشن کیا حیثیت رکھتا تھا۔

"تم کن سوچوں میں کھو گئیں کیا بور ہو رہی ہو؟" عمر نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔

"بور؟ مجھے دکھ ہو رہا ہے کہ اتنے سال ہم سب بہن بھائی ان چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو انجوائے نہیں کر سکے۔" رامین پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"افشین اور عامر کا پتا نہیں 'لیکن تم بہت جلد ہمارے ساتھ ہو گی انشاء اللہ۔" شازیہ نے اس کی گردن میں بازو حمائل کرتے ہوئے کہا۔

"یقین نہیں آتا کہ ایسا ہو سکے گا۔" رامین بڑبڑانے کے انداز میں بولی۔

"آپی چھوڑیں ان باتوں کو' آپ بتائیں میری آنکھوں کے نیچے حلقے کیوں پڑ رہے ہیں۔" عائشہ منمنائی تو سب ایک بار پھر ہنس پڑے۔ وقت بہت خوشگوار گزرا تھا مگر رات کو ماموں کے سو جانے کے بعد امی نے جو اس سے کہا اسے سن کر اس کی ساری خوشی غارت ہو گئی۔

تایا ابو نے کہا تھا کہ پاپا کو اس ملاقات کے بارے میں کچھ بتایا نہ جائے وہ کوٹھی بیچنے کا مطالبہ کر رہے ہیں ہم انہیں کاغذات پر دستخط کرنے کے لیے بلائیں گے

اور تایا ابو خود ہی ان کے پاس لاہور آ جائیں گے' دستاویز پر دستخط کرنے سے پہلے وہ شرط رکھ دیں گے کہ ابھی اور اسی وقت رامین کی رخصتی کر دو' ورنہ ڈیل کینسل۔ پھر اس وقت پاپا انکار نہیں کر سکیں گے۔

"پاپا انکار نہیں کر سکیں گے۔ مگر اس کے بعد کیا ہو گا کیا تایا ابو کوٹھی بیچ دیں گے۔" رامین ان کی بات سن کر پریشانی سے بولی۔

"اس بات کا انہوں نے واضح جواب نہیں دیا۔ تمہارے ماموں کو ان کا مشورہ بہت پسند آیا ہے ان کا کہنا ہے بعد میں کوٹھی بکے یا نہ بکے تم بس رخصتی کر دو۔ میرے تو ہاتھ پاؤں پھول رہے ہیں' کہیں کوئی ہنگامہ نہ کھڑا ہو جائے اور شادیاں ایسے کب ہوتی ہیں۔ وہ کہہ رہے ہیں بعد میں ایک بڑا سا ریسپشن دے دیں گے۔ پتا نہیں اس وقت حالات کیا ہوں۔ جانے ہم ولیمے میں شریک ہو بھی سکیں گے یا نہیں۔ تمہارے ماموں کہہ رہے ہیں فضول باتیں مت سوچو رامین کا گھر بس جائے وہی بہت ہے۔ ارے کیسے نہ سوچوں مجھے تو ہول اٹھ رہے ہیں۔" رامین کے اعصاب شل ہو گئے تھے یہ سب سن کر۔

☼ ☼ ☼

اگلے دن وہ لاہور روانہ ہو گئے۔ رامین شہروز کو اطلاع کرنا چاہتی تھی مگر ماموں کے گھر پر کمپیوٹر نہیں تھا اور کسی دوسرے طریقے سے رابطہ کرنا رامین کے لیے کافی مشکل تھا کئی بار رامین نے سوچا کہ فون کر کے کم از کم افشین کو اپنے راز میں شامل کر لے مگر نانی کے گھر میں ہر وقت چہل پہل رہتی تھی وہ فون کر بھی لیتی تو کھل کر کچھ کہہ نہیں سکتی تھی اور پھر وہ لوگ جس دن کراچی سے آئے اس کے چوتھے دن پاپا بھی لاہور پہنچ گئے' انہیں یقیناً" تایا ابو نے بلایا ہو گا' پتا نہیں کیا ہونے والا تھا' پاپا کے آنے کے دوسرے دن تایا ابو ایک دم اچانک گھر چلے آئے۔

نانا نانی اور باقی کے دونوں ماموں جو اس ساری صورت حال سے واقف نہیں تھے حیرت سے دنگ رہ گئے۔ خود پاپا کو بھی امید نہیں تھی کہ وہ اس طرح آ جائیں گے اپنے طور پر انہوں نے کوٹھی بیچنے کا مطالبہ سب سے چھپ کر کیا تھا مگر اب ساری بات منظر عام پر آ گئی تھی' وہ کھل کر کچھ بھی بولنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ تایا ابو نے آتے ہی کہہ دیا تھا کہ ہم پچھلی باتیں نہیں دہرائیں گے۔ تم کل شام تک رخصتی کر دو ہم سارے کاغذات تمہارے حوالے کر دیں گے۔ نانا نے اس افراتفری پر اعتراض بھی کیا مگر ماموں نے انہیں بولنے کا موقع نہ دیتے ہوئے تایا ابو کی تجویز کی حمایت شروع کر دی پاپا خود کشمکش و پنج میں پڑ گئے تھے۔ تایا ابو کا رویہ بہت مشکوک تھا مگر خوشی کی بات یہ تھی کہ وہ کوٹھی بیچنے کے لیے تیار ہو گئے تھے جو بظاہر ممکن نہیں لگ رہا تھا۔ دوسرے یہ کہ ان کے پاس رامین کا رشتہ ختم کرنے کا کوئی جواز نہیں رہا تھا تایا ابو نے آتے ہی سب کے سامنے معافی مانگ لی تھی جو کہ اپنے آپ میں ایک حیران کن بات تھی۔ پھر بھی پاپا نے ٹالتے ہوئے کہا۔

"مگر شادی کا کوٹھی سے کیا تعلق؟ رخصتی ہم روایتی انداز میں ہی کریں گے۔"

"تم نہیں جانتے' وہ پارٹی بہت جلدی میں ہے اور ایک بار سودا ہو جانے کے بعد مجھے امید نہیں کہ تم رامین کی رخصتی کرو گے مجھے تم پر بھروسہ نہیں ہے۔" تایا ابو کی بات پاپا کو بری لگی مگر وہ برداشت کر گئے وہ اتنے لوگوں کے بیچ کوئی بکھیڑا کھڑا نہیں کرنا چاہتے تھے۔

"نہیں تو اور پہلے ہی آ جاتا مگر شہروز کل ہی آسٹریلیا سے آیا ہے' وہاں کی فرم زیادہ تر وہی سنبھالتا ہے پڑھائی کے ساتھ ہی اس نے بزنس بھی دیکھنا شروع کر دیا تھا اس سے پہلے کہ اسے پھر کسی ٹرپ پر جانا پڑ جائے یہ نیک کام جلد از جلد ہو جانا چاہیے کل نہیں تو پرسوں' بس اس سے زیادہ دیر نہیں کی جا سکتی۔" تایا ابو نے حتمی انداز میں کہا۔

رامین کی جان نکل رہی تھی اوپر سے سب لوگ بھی ایسی باتیں کر رہے تھے۔ ساری ممانیاں اور ان

کے بچے اس افراتفری کی شادی پر حیران تھے حیرت تو ان کی بجا تھی مگر وہ سارا حیرت نامہ رامین کے سامنے بیان کر رہے تھے جس پر اس کا دل مزید بیٹھنے لگتا کل شام اس کی رخصتی تھی، صرف قریبی رشتے داروں کو بلایا گیا تھا، جبکہ سب سے قریبی رشتے دار سب سے دور بیٹھے اس ناانصافی پر صرف فون ہی کر سکے۔

"میرا بس چلے تو امتحان چھوڑ کر صرف ایک رات کے لیے آجاؤں لیکن پاکستان جانے والی کوئی فلائیٹ ہی نہیں اور جو ہے وہ بک ہے۔" عامر کی آواز سے پتا چل رہا تھا وہ کتنے غصے میں ہے افشین سے رونے کے سوا کوئی بات ہی نہیں کی جا رہی تھی۔

"آخر پاپا کو ایسی کیا جلدی تھی۔ کہاں تو آپ کی شادی کا کوئی ذکر ہی نہیں تھا اور 'اور کہاں اتنا اچانک' آپی آپ خوش تو ہیں نا۔" اور واقعی خوشی سے زیادہ اس پر ایک گھبراہٹ سوار تھی، صرف شہروز کا خیال اسے تھوڑی دیر کے لیے مسرت سے دوچار کرتا پھر اپنا جھوٹ یاد آنے پر اسے پھر وہم ستانے لگتا۔ افشین سے بات کر کے اس کا دل اور بوجھل ہو گیا۔

گھر میں اچانک منعقد تقریب پر سب کو شاپنگ کی فکر ستانے لگی اس کا جوڑا کل صبح تائی امی دیگر رشتے داروں کے ساتھ کراچی سے لے کر آ رہی تھیں۔ سب کے شاپنگ پر چلے جانے سے گھر میں تھوڑی دیر کے لیے سکون کا احساس ہوا تھا مگر پھر اسے اسی خاموشی سے بھی گھبراہٹ ہونے لگی۔ وہ اس وقت امی اور ممانیوں کے پاس بھی جانا نہیں چاہتی تھی کیونکہ وہ گھوم پھر کر ان ہی خطرناک موضوعات پر آجاتیں، جس سے وہ بچنا چاہ رہی تھی تب ہی امی ہاتھ میں کارڈ لیس لیے چلی آئیں۔

"شہروز کا فون ہے تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔"

"کیا؟" وہ تقریباً چیخ پڑی تھی۔ امی نے ناگواری سے اسے گھورا۔ وہ اشارے سے کوئی بہانہ بنانے کے لیے کہنے لگی، حالانکہ امی نے ہاتھ اسپیکر پر رکھ لیا تھا۔

"اس تک تمہاری آواز چلی گئی ہو گی، آخر اتنا گھبرانے کی کیا بات ہے اتنی ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں، تمہارے چہرے پر۔" امی اتنی پریشان تھیں کہ خلاف معمول برس پڑیں۔ انہیں اپنی آواز کا والیم کم کرنے کا خیال بھی نہیں رہا تھا رامین نے مجبوراً کارڈلیس کان سے لگا لیا امی اس کے ہیلو بھی کہنے سے پہلے کمرے سے نکل گئی تھیں۔

"میرا بہت دل چاہ رہا ہے تمہارے چہرے پر اڑتی ہوائیاں دیکھنے کا۔" شہروز نے چھوٹتے ہی ہنس کر کہا۔ صاف ظاہر تھا اس نے امی کی بات سن لی تھی۔

"بہت پریشان ہو؟" وہ بڑے دوستانہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔ رامین کی سمجھ میں نہیں آیا۔ اسے کیا جواب دے۔

"پریشانی کی کیا بات ہے، جو ہو رہا ہے، بالکل ٹھیک ہو رہا ہے اگر یہ سب آج نہیں ہو سکا تو کبھی نہیں ہو سکے گا۔" شہروز ایک دم سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"اگر چچا جان نے خلع کی بات نہ کی ہوتی تو ڈیڈی کبھی رخصتی پر اتنا اصرار نہ کرتے، یا یوں کہہ لو کہ اگر چچا جان نے رخصتی کی بات کی ہوتی تو اس وقت ڈیڈی مجھ پر علیحدگی کے لیے دباؤ ڈال رہے ہوتے یہ سب ضد اور انا کا کھیل ہے، لیکن یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے میں نے تمہیں یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ تم اپنی عادت کے مطابق پریشان ہونا نہ شروع ہو جانا۔ ہمارے والدین کے درمیان چاہے جو بھی اختلافات ہوں اس کا اثر ہمارے رشتے پر نہیں پڑے گا ڈیڈ نے اتنا بڑا قدم ضرور کسی مقصد کے تحت اٹھایا ہو گا، مگر وہ جو بھی سوچ لیں میں تمہارے ساتھ ہوں، میں کوئی ناانصافی نہیں ہونے دوں گا تمہارے ساتھ۔" شہروز کے دھیمے مگر پر اعتماد لہجے پر رامین کو اپنا آپ بہت ہلکا پھلکا ہوتا محسوس ہوا تب ہی وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"کیا تایا ابو نے یہ سب کسی مقصد کے تحت کیا ہے؟"

"جتنا میں انہیں جانتا ہوں اس سے تو ایسا ہی لگتا ہے۔" شہروز کا انداز بہت سوچتا ہوا سا تھا۔

"تو کیا تایا ابو واقعی دادا جان کی کوٹھی بیچ دیں گے۔" رامین دکھ سے بولی۔

"اگر وہ کوٹھی بیچ رہے ہوتے تو ہماری شادی اتنی جلدبازی میں نہ ہو رہی ہوتی۔"

"تو پھر یہ سب کیا ہے؟۔" رامین ایک بار پھر الجھ گئی۔

"مجھے نہیں پتا ڈیڈی ہمیشہ وہ کرتے ہیں جو انہیں ٹھیک لگتا ہے آٹھ سال سے میں اور عمر بزنس میں ان کا ہاتھ بٹا رہے ہیں، لیکن وہ ہمیں آج بھی اناڑی اور ناتجربہ کار سمجھتے ہیں ان کے مقابلے میں ہماری اسکیم چاہے دوسروں کو کتنی ہی پسند آئے وہ اسے ہمیشہ رد کر دیتے ہیں اور اپنے غلط فیصلوں پر نقصان اٹھانے کے بعد بھی شرمندہ نہیں ہوتے۔ عمران کی ہر بات پر "جی جی" کرتا رہتا ہے، لیکن میرا بھی کبھی واقعی دل چاہتا ہے کہ چچا جان کی طرح میں بھی ـــــ کیا یار کل ہماری شادی ہے اور ہم کتنی روکھی پھیکی بے رنگ باتیں کر رہے ہیں۔" شہروز نے ایک دم بات بدل دی رامین اس کی ادھوری بات کا مطلب اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔ تائی امی نے بھی ایسا ہی کچھ بتایا تھا۔

"شازیہ بتا رہی تھی تم پہلے سے زیادہ خوب صورت ہو گئی ہو، لیکن اس کے کہنے سے کیا ہوتا ہے اس کی پسند تو بالکل ایویں ہے۔ تمہاری بہن کو میں نے دیکھا ہے اور افشین کو دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی بچپن میں کتنی کیوٹ تھی اور اب چچ ـــــ تم اس سے مت کہہ دینا شکل جیسی بھی ہو بنانے والا تو اللہ تعالیٰ ہے نا مگر بس تم یہ بتا دو تم اس سے تو نہیں ملتی نا۔" رامین اس کی بات پر ششدر سی رہ گئی۔ شہروز کے الفاظ کسی پگھلے سیسے سے کم نہیں تھے یہ سوچ کر اس کا دل بیٹھنے لگا کہ کہیں شہروز اس جھوٹ کے کھلنے پر اسے اپنانے سے انکار ہی نہ کر دے۔

"تم کچھ بول کیوں نہیں رہیں۔ میں نے کچھ پوچھا ہے۔" شہروز کے ٹوکنے پر وہ بمشکل اپنے حواس مجتمع کرتے ہوئے بولی۔

"آں ـــــ امی مجھے بلا رہی ہیں، اچھا خدا حافظ۔"

"ایک، ایک منٹ انہوں نے سائیلینس لینگویج میں بات کرنی شروع کر دی ہے کیا۔ میں نے تو ان کی آواز نہیں سنی فون بند کرنا ہے تو کم از کم بہانہ تو اچھا بناؤ۔ جیسا ایئرپورٹ پر بنایا تھا اگر میں نے تمہارے بیگ پر لگی چٹ پر سے تمہارا نام پڑھ نہ لیا ہوتا تو میں واقعی تمہیں افشین ہی سمجھ لیتا۔ تمہارا نام پڑھ کر دل چاہ رہا تھا ابھی تمہارے جھوٹ کا پول کھول دوں پھر میں نے سوچا ان دونوں گھرانوں کے بیچ جو سرد جنگ چل رہی ہے وہ تب تک ختم نہیں ہو گی جب تک دونوں طرف سے کوشش نہ کی جائے اور شاید یہ سب کرنے کے لیے تم تب ہی تیار ہو گی جب میں خود کو احمق ظاہر کر کے تمہارے ہاتھوں بے وقوف بننے کا ڈرامہ کروں گا۔" وہ کیا کہہ رہا تھا رامین کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"آپ ـــــ جانتے تھے؟" رامین ہونقوں کی طرح بولی۔

"تو اور میں کیا کہہ رہا ہوں۔ میں چاہتا تھا یہ بات مجھے تم خود بتاؤ، کئی بار میں نے تم سے ایسے سوال بھی پوچھے جس کے بعد تمہیں سچ بتا دینا چاہیے تھا مگر تم، تم اسی خوش فہمی میں مبتلا رہیں کہ شہروز جیسے انٹیلیجنٹ انسان کو الو بنانے میں کامیاب ہو گئیں، حالانکہ یہ کام تم سو دفعہ مر کر بھی پیدا ہو جاؤ تو بھی نہیں کر سکتیں۔" رامین کو لگ رہا تھا اس کے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو، یہ جھوٹ اسے کتنے دنوں سے پریشان کر رہا تھا، وہی جانتی تھی اسی لیے اس کی باتیں سن کر وہ چڑی نہیں تھی، بلکہ اس کے چہرے پر ڈھیروں اطمینان پھیل گیا تھا وہ اسے جواب میں کچھ کہنے والی تھی کہ امی کمرے میں آگئیں۔

"کھانا کھانا ہے، یا آج باتوں سے ہی پیٹ بھر جائے گا۔" اس کے کھلتے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ بھی شوخ ہو گئی تھیں۔ رامین بری طرح خجل ہو گئی اس نے ایک دم ہی فون بند کر دیا۔ امی نے آگے بڑھ کر بڑی محبت سے اسے گلے لگا لیا تھا ان کے خدشات کم ہونے لگے تھے۔ مگر ختم تب بھی نہیں ہوئے تھے اور وہی ہوا جس کا انہیں ڈر تھا رخصتی کے تیسرے دن پاپا نے ہوٹل آ کر ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا۔

☼ ☼ ☼

وہ سب لوگ ابھی تک اسی ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے، جہاں وہ کراچی سے آکر اترے تھے اور آج شام کی فلائیٹ سے واپس کراچی جانے والے تھے۔ رامین اپنے اس گھر میں جانے کے خیال سے ہی خوشی سے پاگل ہوئی جا رہی تھی۔ ولیمے کی تقریب بھی اسی گھر میں کرنے کا ارادہ تھا۔ افشین اور عامر بھی تقریب میں شرکت کرنے کے لیے قطر سے آرہے تھے مگر پاپا نے نہ صرف ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا بلکہ وہ رامین کو اپنے ساتھ قطر لے جانے پر بضد ہو گئے۔

"اتنا بڑا دھوکا! آپ نے میرے ساتھ فریب کیا ہے۔" پاپا نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کاغذات تایا ابو کے منہ پر مارے تھے اتفاق سے سب ان ہی کے کمرے میں جمع تھے سب ہی ہکا بکا رہ گئے۔

"تم جب سارا پیسہ لے کر بھاگے تھے تو کیا وہ دھوکا نہیں تھا اتنا بڑا غبن کر کے اب تمہیں کون سا حصہ چاہیے۔ بابا جان کا سارا بزنس تمہارے دھوکے کی وجہ سے ڈوب گیا تھا اور اب یہ جو بزنس ہے یہ میرا اپنا کھڑا کیا ہوا ہے تمہارا اس میں کوئی حصہ نہیں اور رہا سوال کوٹھی کا۔ وہ میں کبھی نہیں بیچوں گا۔"

تایا ابو ایک دم بھڑک اٹھے۔

"ماموں آخر ہوا کیا ہے؟" عمر نے سب کے ذہن میں ابھرتا سوال رسانیت سے پوچھا۔

"جس پارٹی سے کوٹھی بیچنے کی ڈیل ہوئی تھی ایسی کوئی پارٹی سرے سے ہے ہی نہیں وہ سارے کاغذات جعلی تھے اسی لیے آپ نے شادی کی اتنی جلدی مچائی تھی کیونکہ اگر میں یہاں رہتا اور اس پارٹی سے بار بار ملتا تو مجھے پتا چل جاتا کہ یہ آپ کا اپنا کھڑا کیا ہوا آدمی ہے میری لائی ہوئی پارٹی سے بھی زیادہ رقم آفر کرنے والا یہ شخص آپ کا کرائے کا ٹٹو ہے۔ آپ کیا سمجھتے ہیں میں اب رامین کو خلع نہیں دلوا سکتا۔ میں ابھی اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا اور آپ پر دو دو کیس کروں گا خلع کا بھی اور فراڈ کا بھی۔" رامین کے آنسو تک خشک ہو گئے تھے۔

"عابد پلیز! بیٹھ جاؤ۔ تم کیوں کوٹھی بیچنے پر تلے ہو، ایسا کرتے ہیں کوٹھی کی قیمت لگوا لیتے ہیں اور جتنا تمہارا حصہ بنتا ہے وہ تم ہم سے لے لو۔" تائی امی خود پریشان ہو گئی تھیں، پھر بھی متانت سے بولیں۔

"تم چپ رہو۔ ایک پائی نہیں ملے گی اسے۔" تایا ابو ایک ایک لفظ چبا کر بولے۔

"ہاں بھلے مجھے ایک پائی نہ ملے مگر میں آپ کو بھی اس کوٹھی میں رہنے نہیں دوں گا۔ چلو اٹھو رامین۔" پاپا اچانک اس سے مخاطب ہو گئے وہ جو پہلے ضد اور ہٹ دھرمی پر مبنی اس لڑائی پر ہراساں تھی بے اختیار شہروز کو دیکھنے لگی جو تایا ابو کو تاسف سے دیکھ رہا تھا۔

"اگر تمہیں اپنے باپ کی عزت کا ذرا سا بھی احساس ہے تو فوراً" اٹھ جاؤ۔" رامین کے آنسو تواتر سے گرنے لگے اس میں بالکل ہمت نہیں تھی پاپا کو انکار کرنے کی لیکن وہ جانتی تھی اگر اس وقت وہ ان کے ساتھ چلی گئی تو پھر کبھی لوٹ کر نہیں آسکے گی اور اس کے برعکس اگر اس وقت اس نے انہیں انکار کر دیا تو پاپا اس سے سارے تعلق ختم کر لیں گے وہ امی، افشین اور عامر کی شکل دیکھنے کے لیے بھی ترس جائے گی۔

"خبردار! جو رامین کو لے جانے کا خیال بھی دل میں لائے۔" تایا ابو نے حکمیہ انداز میں کہا شہروز اس سارے معاملے سے لاتعلق بنا زمین پر سے کاغذات اٹھا کر دیکھنے لگا تھا۔ رامین اس کے نزدیک چلی آئی۔

"شہروز آپ کچھ بولتے کیوں نہیں۔" وہ گھٹے گھٹے انداز میں چیخی۔

"سب بول رہے ہیں نا۔ کوئی فائدہ ہو رہا ہے ان کے بولنے کا جو میں بھی جاہلوں کی طرح چلانا شروع کر دوں۔" شہروز نے تایا ابو اور پاپا کے ارد گرد کھڑے گھر کے تمام افراد کی طرف اشارہ کیا جو ان دونوں کے بیچ بات سنبھالنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔

"مجھے پہلے ہی خدشہ تھا ڈیڈی کوئی چال چل رہے ہیں، مگر چچا جان اتنی بے وقوفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے

ایک بالکل انجان پارٹی کے ساتھ ڈیل کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ یہ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا مجھے تو پارٹی کے بارے میں کوئی علم ہی نہیں تھا شادی سے ایک دن پہلے تو میں آسٹریلیا سے آیا ہوں۔ لیکن چچا جان نے کوئی معلومات کیوں نہیں کیں۔" شہروز کی نظریں مستقل کاغذات پر جمی تھیں۔

"چھوڑیں ان بے کار کی باتوں کو یہ بتائیں میں کیا کروں۔" رامین اس غیر ضروری تفصیل پر زچ ہو گئی تو وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔

"میں کیا بتاؤں جہاں لڑائی حق اور باطل کے درمیان ہو وہاں فیصلہ بہت آسان ہوتا ہے جہاں دونوں ہی غلط ہوں وہاں کسی کا بھی ساتھ دیا جا سکتا ہے۔ تم اگر اپنے پاپا کا مان رکھنا چاہتی ہو تو چلی جاؤ ان کے ساتھ۔ میں بعد میں تمہیں بلا لوں گا لیکن پھر ڈیڈی تمہیں ہرگز قبول نہیں کریں گے مجھے تمہارے ساتھ دوسرے گھر میں رہنا ہوگا۔ مختصراً" الفاظ میں سوال صرف اتنا ہے کہ تم اپنے گھر والوں کو چھوڑو گی یا میں۔" شہروز اتنی ٹینشن میں بھی اتنے سکون سے بات کر رہا تھا رامین کو رشک آ رہا تھا۔ اس کے اطمینان پر۔ وہ خود بھی اپنے دل و دماغ کو ٹھنڈا رکھنا چاہ رہی تھی تاکہ کوئی غلط فیصلہ نہ کر گزرے اسے دادا جان کی وہ بات آج بھی یاد تھی۔

"برے وقت میں سمجھ داری سے زیادہ بہادری کام آتی ہے اگر انسان ہمت سے کام نہ لے تو ساری عقل مندی دھری کی دھری رہ جائے۔"

اسے معلوم تھا وہ پاپا کو انکار نہیں کر سکتی مگر پاپا نے خود اسے شہروز کے ساتھ رخصت کیا تھا اب اسے خواہ مخواہ کی ضد اور ہٹ دھرمی کی خاطر اپنا گھر نہیں اجاڑنا چاہیے۔ شہروز بھلے ہی اسے بعد میں بلا لینے کی باتیں کر رہا ہے مگر وہ جانتی تھی یہ سب اتنا آسان نہیں ہوگا وہ اپنے گھر کی بنیادوں کو ابتدا سے ہی کمزور نہیں کرنا چاہتی تھی۔ بظاہر مضبوط نظر آنے والا یہ رشتہ کتنا کمزور تھا یہ وہ اچھی طرح جان گئی تھی اور پھر اگر کل کو شہروز کو اس کی وجہ سے اپنا گھر چھوڑنا پڑا تو تائی امی اور شازیہ کو یہی لگتا نا بہو نے آتے ہی بیٹے کو چھین لیا جو

رشتے وہ پیچھے چھوڑ آئی تھی۔ ان کے بارے میں سوچنے کا وقت نہیں تھا اسے ان نئے رشتوں میں استحکام پیدا کرنا تھا جبکہ اب اس کا اصل گھر یہی تھا۔

"میں کچھ سننا نہیں چاہتا آپ لوگوں کی فلائیٹ کا وقت ہو رہا ہے، آپ جائیں رامین آپ کے ساتھ نہیں جائے گی۔" پاپا، تائی امی کی کسی بات پر بھنا کر رامین کی طرف بڑھے اور بازو پکڑ کر کھینچتے ہوئے بولے۔

"اب آپ سے کورٹ میں ملاقات ہوگی۔"

"پاپا میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکتی۔" رامین کی مدھم رندھی ہوئی آواز پر پاپا کچھ کہتے کہتے ایک دم رک گئے۔ انہوں نے جس طرح پلٹ کر رامین کو دیکھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ انہیں کتنا بڑا دھچکا لگا تھا۔ تایا ابو کے چہرے پر پھیلا فتح کا احساس اور غرور سے اکڑتی گردن دیکھ کر ایک لمحے کے لیے رامین کا دل چاہا وہ ابھی اور اسی وقت ان کے ساتھ چلی جائے مگر وہ اس وقت جذبات میں آکر کوئی قدم اٹھانا نہیں چاہتی تھی۔ پاپا نے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا انہیں اپنی شدید بے عزتی محسوس ہوئی تھی وہ ہوٹل کا دروازہ

کھولتے تیزی سے باہر نکل گئے۔ رامین چکرا کر زمین پر گرنے لگی کہ شہوز نے اسے تھام لیا۔

☼ ☼ ☼

وہ سب اپنی مقررہ فلائیٹ سے کراچی واپس آ گئے جس گھر میں لوٹ آنے کے لیے وہ اتنی بے چین تھی اس گھر میں قدم رکھتے وقت اسے اپنے اندر خوشی کی کوئی رمق محسوس نہیں ہوئی تھی' اس کا ذہن ای' الشبن اور عامر کی طرف اٹکا ہوا تھا جن کے متعلق اسے یقین تھا کہ وہ ان سے کبھی نہیں مل سکے گی گھر پہ تایا ابو کو چھوڑ کر سب اس کی دلجوئی میں لگے رہتے اور سب سے بڑھ کر شہوز کی توجہ اور محبت اس دکھ کو برداشت کرنے میں بہت معاون ثابت ہوئی تھی۔

اور آج دس سال بعد بھی وہ اس کی قربانیوں کا دل سے قدر کرتا تھا جس نے اتنا کچھ ہونے کے باوجود کبھی تایا ابو سے کوئی بغض نہیں رکھا تھا' بلکہ جب سے وہ بیمار ہوئے تھے اور اسی ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہو گئے تھے جہاں رامین پریکٹس کر رہی تھی وہ وہاں رامین سے زیادہ سینئر اور قابل ڈاکٹرز کے زیر نگرانی تھے مگر وہ ذاتی طور پر ان کے وارڈ میں جا کر ان کی دوائیں وغیرہ چیک کرتی اور ان کی بدلتی حالت کی پل پل کی خبر رکھتی اور اسی خبر گیری کے باعث اس کے ہاتھ وہ کاغذ لگ گیا تھا جو شہوز ان سے نیم غنودگی کی حالت میں سائن کرا گیا تھا اور سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر کوئی موبائل کال اٹینڈ کرنے کمرے سے نکل گیا تھا بے خبر سوتے تایا ابو پر نظر ڈالتے ہوئے وہ اس کاغذ کو پھاڑنے والی تھی کہ شہوز نے اچانک کمرے میں آ کر اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے وہ کاغذ اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا رامین تاسف سے اسے دیکھنے لگی۔

"آخر تم بھی اس کوٹھی کو بیچنے کے لیے رضامند ہو گئے تمہارے پاس پیسے کی کون سی کمی ہو گئی ہے جو تم گھر کا سودا کرنے پر اتر آئے اور تایا ابو سے دھوکے سے اس پیپر پر سائن کرا لیے ارے تایا ابو کی حالت دیکھو۔ بہت جلد یہ سب تمہارا ہی ہو جائے گا' تب بیچ دیتا دادا جان کے اس گھر کو اپنی منہ مانگی رقم پر۔ تم نے بھی پاپا کی طرح اسے صرف ایک کوٹھی سمجھ لیا ہے۔ پاپا تو چلو اس گھر سے بہت پہلے اپنا رشتہ توڑ چکے مگر تم تو آج بھی اسی چھت کے نیچے سانس لے رہے ہو تب بھی۔"

"تم کبھی نہیں بدل سکتیں نا۔ جب تم بدگمانی پر اتر آتی ہو تو کوئی رعایت نہیں برتتیں۔ میں دادا جان کا گھر بیچ نہیں رہا' بلکہ ٹوٹے پھوٹے رشتوں کو جوڑنے کی کوشش کر رہا ہوں ہم سب جانتے ہیں ڈیڈی کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے' انہیں کچھ ہو بھی جائے تب بھی چچا جان اپنی ضد کے باعث اس گھر میں کبھی قدم نہیں رکھیں گے تب میں انہیں ڈیڈی کے یہ دستخط لے جا کر دکھاؤں گا اور ان سے یہ جھوٹ بولوں گا کہ ڈیڈی نے اپنے آخری وقت میں اپنی ضد کو چھوڑتے ہوئے اس کوٹھی کو بیچنے کا فیصلہ کر لیا تھا اگر وہ زندہ رہتے تو ضرور آپ کے پاس آتے۔ یہ سب سن کر چچا جان تم سے اپنے تعلقات بحال کر لیں گے۔" رامین شاک کے عالم میں اسے دیکھے گئی اس کے چہرے پر شرمندگی ابھرتی دیکھ کر وہ تھوڑا نرم پڑ گیا۔

"ڈیڈی کے جانے کے بعد چچا جان کی اس کوٹھی کو بیچنے میں کوئی دلچسپی نہیں رہے گی اور اگر تب بھی انہوں نے ایسا چاہا تو ہم اس اینٹ اور پتھر سے بنے مکان کو اتنے سارے رشتوں کے بیچ حائل نہیں ہونے دیں گے مگر مجھے یقین ہے اس کی نوبت نہیں آئے گی خدا کرے ڈیڈی ٹھیک ہو جائیں اللہ انہیں صحت اور زندگی دے۔ لیکن ہمیں اپنے طور پر چچا جان کو واپس لانے کی ایک کوشش تو کرنی چاہیے۔ تم دیکھنا اب کی بار پاکستان آنے پر چچا جان' چچی' عامر' الشبن اور اس کا شوہر پورے اکیس سال بعد اس گھر میں بھی ضرور آئیں گے۔" شہوز اپنے مخصوص پر سکون انداز میں کہہ رہا تھا رامین تصور میں وہ منظر دیکھتی آپ ہی آپ مسکرا دی۔

☼ ☼